ناپاکیوں کے لیے بایاں ہاتھ ہے

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَتَنَفَّسْ فِی الْاِنَاءِ وَاِذَا اَتَی الْخَلَاءَ فَلَا یَمَسَّ ذَکَرَہٗ بِیَمِیْنِہٖ وَلَا یَتَمَسَّحْ بِیَمِیْنِہٖ. [متفق علیہ]

''حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی تم میں سے پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب پاخانہ میں جائے تو سیدھا ہاتھ شرمگاہ کو نہ لگائے۔''

فائدہ: اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں دلالت ہے کہ دائیں ہاتھ سے شرم گاہ کو چھونا حرام ہے اور پیتے وقت برتن میں سانس لینا بھی حرام ہے۔ جمہور اس نہی کو نہی تنزیہی پر محمول کرتے ہیں۔

دین کے بنیادی اصول (۴۶)

شرح: امام احمد فرماتے ہیں: جس نے کسی صحابی کا نقص یعنی عیب بیان کیا یا ان کی غلطیوں کا ذکر کیا وغیرہ، اس بنا پر اسے بدعتی نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت پامال کرنے والا سمجھا جائے گا۔

بلاشبہ ان سے اجتہادی امور میں غلطیاں ہوئیں، رافضی ان کا انکار کرتے اور انہیں ان کی کوتاہیاں سمجھتے ہیں، حالاں کہ ان میں سے بعض تو ان کی ذاتی اور کچھ دینی اور شرعی خوبیاں ہیں، بلاشبہ یہ ان کے فضائل ہیں خواہ رافضی انہیں کوتاہیاں کہیں۔

شیخ ابن جبرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رافضیوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے انہوں نے صحابہ کرام پر گالی گلوچ کی اور انہیں کافر کہا، بالخصوص ان میں سے بڑوں، یعنی علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ عشرہ مبشرہ پر، جھوٹ اور بہتان بنائے پھر ان کے ذمے لگا دیئے، ان کی فضیلت اور خصوصیات کا انکار کیا، نیز یہ تہمت لگائی کہ انہوں نے کچھ قرآن اور بعض دوسرے احکامات چھپا لیے تھے۔ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر والوں کے متعلق بہت زیادہ غلو کیا حتی کہ ان کی عبادت کرنے لگے۔

ہم تمام صحابہ کرام سے محبت کرتے ہیں اور ان سے خوش ہیں، ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے اور ان کی خوبیوں کے گواہ ہیں، اپنے ساتھ ان کے لیے بھی دعا گو ہیں:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ [الحشر: ۱۰]

یہ سب صرف اس لیے ہے کہ وہ لوگ رسول اللہ پر اس وقت ایمان لائے جب لوگ تھوڑے تھے اور اس وقت تصدیق کی جب مسلمانوں کی حالت بہت کمزور تھی، پھر انہوں نے ہجرت کی اور گھر، بار اور علاقوں کو چھوڑا، جب وہ کسی معمولی چیز کے بھی مالک نہ تھے اس وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، مزید یہ کہ عبادت گزاری، تہجد کے اہتمام اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے میں پیش پیش رہے، جیسا کہ احادیث اس بات کی گواہ ہیں۔ [التعليقات على متن لمعة الاعتقاد، ص: ۱۷۵، ۱۷۶]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عقیدہ واسطیہ میں وضاحت فرمائی ہے کہ جو باتیں صحابہ کرام کے متعلق منقول ہیں وہ یا تو بے حقیقت جھوٹ ہیں جو ان کے دشمنوں نے ان کے ذمے لگائے، یا ان کے حقیقی واقعہ میں اضافہ کیا گیا ہے، یا اصل صورت سے تبدیلی اور تحریف کر دی گئی ہے۔

درست رائے یہی ہے کہ سب صحابہ کرام معذور تھے، یا مجتہد پھر صحیح رائے یا غلط رائے اپنانے والے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جس نے اجتہاد کیا اور درست رائے کو پہنچا اس کے لیے دوہرا اجر ہے، جب کہ غلطی کرنے والے کو ایک اجر ملے گا۔'' [صحيح بخاري: ۷۳۵۲۔ صحيح مسلم: ۷۱۶]

فہرست

مطلوب جمہوریت

اداریہ — حافظ احمد شاکر

وطن عزیز کا ہر سیاست دان، حکم ران، سیاست سے دلچسپی رکھنے والا اور سیاسی خدمات انجام دینے والا ...... ورکر ...... بلکہ سیاسی جماعتوں کے کام آنے یعنی ان کے پروپیگنڈے پہ قربان ہونے والا، ان میں سے ہر شخص جمہوریت کا گرویدہ اور نقیب ہوتا ہے۔ لیڈروں اور حکم رانوں کے نزدیک تو جمہوریت وہی اصلی اور حقیقی ہوتی ہے جس میں یا جس کے طفیل حکم رانی ان کے گھر رہے یا ان کی دسترس میں ہو جو سیاست دان حکومت سے باہر ہوتا ہے وہ عموماً اپنی خواہش حکمرانی کو جمہوریت کا نام دے کر اس کی تلاش میں مارا، مارا پھرتا رہتا ہے حتی کہ جمہوریت کا مائی باپ امریکہ بھی اسی حکومت کو جمہوری حکومت کہتا ہے جو اس کی مقصد برآری میں ممد و معاون رہے۔ وگرنہ الجزائر میں ووٹ کے ذریعہ اگر امریکہ مخالف جماعت برسر اقتدار آ جائے یا فلسطین میں امریکہ کے حامی شکست کھا جائیں تو امریکہ بھی اس جمہوریت کو قبول نہیں کرتا۔ بالکل اسی طرح ہمارے حکم رانوں اور سیاسی لیڈروں میں بھی جمہوریت کے جتنے نام لیوا ہیں وہ ملک میں تو ...... اپنی حسب خواہش ...... جمہوریت چاہتے ہیں لیکن وہ اپنی جماعتوں کے عہدے، اندھے کے ریوڑیاں بانٹنے کی طرح، اپنے ہی افراد خانہ، خاندان یا کاسہ لیسوں کو عطا کرتے ہیں۔ عام ورکروں کو صلاحیت یا خدمت کی بنیاد پر کسی کو کسی عہدے کی عنایت نہیں ہوتی۔ آپ تمام جماعتوں پہ نظر دوڑائیں تو آپ کو وہاں یہی جمہوریت نظر آئے گی۔

چند دن قبل ان صفحات میں صلیب کی اس پالیسی کے بارے میں عرض کیا گیا تھا کہ صلیبی استبداد نے اپنے سنہرے اصول ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے مطابق انگریز دشمن افراد اور جماعتوں کی مخبری کرنے والے خاندانوں کو حق المحنت کے طور پر اتنی جاگیریں عطا کر دیں کہ وہ اب تک نہال ہیں۔ اور ان کو محنت کشوں اور مزارعوں پر حکم رانی کی لت بھی خوب ڈال دی اور پھر جاتے جاتے قیام پاکستان کے بعد ان کو اقتدار کی غلام گردشوں میں اس طرح داخل کر گئے کہ وہ حکم رانی کو اپنا پشتینی حق جاننے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ تب سے اب تک فوجی حکم رانوں کے علاوہ اگر کوئی غیر جاگیر دار حاکم آیا تو وہ صرف اور صرف میاں محمد نواز شریف تھے۔ ہماری ملکی سیاست کا یہ پہلو بہت دلچسپ ہے کہ عموماً اقتدار کے لیے جاگیر دار جاگیر دار ہی کو ترجیح دیتا ہے جس میں پہلی ترجیح اپنا خاندان، پھر اپنی برادری یا پھر کاسہ لیس ہوتے ہیں۔ قربانی، خدمت یا صلاحیت؟ ان کی باری اگر کبھی آئے بھی تو بہت بعد میں آتی ہے اگر کوئی جیالا یا متوالا کہنیاں مارنے کی جرأت کرے بھی تو اس سے حسب حیثیت فی الفور نپٹنا عوام کے یہ ''خدمت گزار'' خوب جانتے ہیں۔

اب بتائیے کیا یہ جمہوریت وہی ہے جس کی تعریف میں آسمان و زمین کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔ ہاں حق اختلاف کے باوجود مولانا مودودی رحمہ اللہ نے اس ریت کو توڑا کیوں؟ اس لیے کہ مولانا رحمہ اللہ کے سامنے جماعت اسلامی کے قیام کا مقصد بہر صورت جو بھی تھا دنیا نہ تھی۔ دوسرا مولانا رحمہ اللہ نے اپنی اولاد کو جماعت سے اس طرح الگ رکھا کہ جماعت اسلامی اور مودودی خاندان لازم و ملزوم نہ بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم و قلم حضرات جماعت اسلامی کو اب صرف دینی یا سیاسی جماعت نہیں کہتے بلکہ اب جماعت اسلامی کو دینی سیاسی جماعت کہا جاتا ہے۔

ہاں تو بات چل رہی تھی جمہوریت کی کہ سیاسی لیڈر ملک میں تو شاید ...... جیسی تیسی ...... جمہوریت ہی چاہتے ہوں گے لیکن اپنی جماعتوں میں وہ اس قدر بھی نہیں چاہتے۔ باقی رہا کہ وہ اپنی جماعت میں صلاحیت و کارکردگی کی بنا پر کسی کارکن کو کلیدی عہدہ دے دیں؟ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الا ماشاء اللہ۔ ہاں البتہ جماعت اسلامی کا جماعت کے کلیدی عہدوں کا طریق انتخاب شاید سب سے بہتر ہے۔

باقی رہی وہ جمہوریت جس کا ہمیں سبق دیا جاتا ہے اس کا موازنہ ہمیں ان مغربی ممالک کی جمہوری حکومتوں سے ضرور کرنا چاہیے جن کی نقالی یا

متابعت میں ہم جمہوریت کی نقابت پیٹتے رہتے ہیں۔

(ا) پہلے درجے پر آپ امریکہ، برطانیہ، چین کے مقابلے میں اپنے ملک کی وسعت اور اپنی کابیناؤں کے پھیلاؤ کا مقابلہ کریں کہ ان ممالک کا جغرافیہ کتنا اور ان کے زیرنگیں علاقہ کتنا ہے اور ان کے وزیروں کی تعداد کتنی ہے؟

(ب) ان غیرمسلم جمہوری ممالک کے حکمرانوں کا طرز بودوباش کیا ہے؟ اور ان کی کابینہ کے وزراء کا معیارِ زندگی کیا ہے؟ اوران کے ذاتی ملازم کتنے ہیں؟

(ج) وہ جمہوریت پر صحیح طریقے سے عمل پیرا ہو کر اپنے ملک کے اثاثوں کے کس قدر محافظ اور ان کے بارے میں کتنے حساس ہیں اور ہمارے حکمرانوں کا اپنے عوام سے کیا وطیرہ ہے؟ اور اپنے ملکی اثاثوں کے بارے میں ان کے احساسات کیا ہیں وہ اگر چہ پوشیدہ تو پہلے بھی نہیں تھے اب ''وکی لیکس'' کے انکشافات سب کچھ زبان خلق پر لے آئے ہیں۔

(د) وہ ممالک یا ان کی حکمران جماعتیں اپنے فکر، نظریئے کا کس قدر لحاظ رکھتے ہیں اور اپنے دین اور اہل دین کا کس طرح دفاع کرتے ہیں؟ مثال کے لیے وطن عزیز میں اب تک جن غیر مسلموں پر اہانت رسول ﷺ کا الزام لگا، یا ان کو گرفتار کیا گیا اور ان پر مقدمات چلائے گئے ان کی حفاظت اور مدد کے لیے کیا صلیب سات سمندر پار کر کے یہاں نہیں آیا؟ ان کے سفارتی اہل کاروں نے ان کو مدد بہم نہیں پہنچائی؟ ہمارے حکمران سالوں سے پھنسے ہوئے مسلمانوں کو جو غیر مسلموں کی جیلوں میں گل سڑ رہے ہیں پوچھتے تک نہیں۔ نیز ہمارے بے علم و بے عمل حکمران؟ اہانت رسول ﷺ کے ملکی قانون میں بھی آقائے ولی نعمت کو خوش کرنے کے لیے آمادۂ ترمیم ہیں جس پر انہیں کوئی خجل نہیں ع تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

(ہ) مغربی حکمرانوں کی اپنے وطن، دین اور قوم کے بارے میں حمیت ہمیشہ بیدار رہی بلکہ اپنی قوم اور دین کے لیے ان کا جذبہ بھی ہمیشہ تازہ رہا۔ لیکن ہمارے حکمرانوں نے کشکول ایسا اٹھایا کہ اب وہ ہاتھ سے چھوٹتا ہی نہیں۔

ان مغربی جمہوری ممالک میں کسی وزیر یا مقتدر پر کسی سازش، وطن مخالف سرگرمی، کرپشن حتی کہ اس مادر پدر آزاد معاشرے میں کوئی اخلاقی الزام بھی لگ جائے تو وہ ہر قسم کی تفتیش و تحقیق کا سامنے کرتے ہیں......شاید ان کے ہاں کوئی استثنا نہ ہوگا......اور بعض ثبوت سے قبل اور بعض ثابت ہونے پر مستعفی بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں وکی لیکس کے انکشافات منظر عام پر آئے کئی دن ہو چکے ہیں لیکن کسی لیڈر یا حکمران کی پیشانی پر عرق ندامت کا کوئی قطرہ نمودار ہوا؟ ان انکشافات میں کیا کچھ نہیں؟ بلکہ شاید کچھ بھی نہیں باقی بچا؟ وکی لیکس کے انکشافات سے آلودہ سب ہی اس کی توجیہات تو کر رہے ہیں لیکن تردید! کم از کم ہمارے سامنے تو اب تک کوئی نہیں آئی۔

تاہم ہمارے دوسرے مسلمان حکمران ایسے نہیں مثلاً ابھی سیلاب کی آزمائش دیکھیں کہ ترکی کی خاتونِ اوّل نے انسانیت کی ہمدردی میں سیلاب زدگان کے لیے اپنا نیکلس ایک مرتبہ ترکی میں دے دیا جس کی بولی لگنے کے بعد ایک صاحب خیر نے اس کی گراں قیمت دے کر دوبارہ خاتونِ اوّل کو واپس کر دیا پھر وہ خاتونِ اوّل جب پاکستان میں اپنے خاوند کے ساتھ دورے پر تشریف لائیں تو انہوں نے دوبارہ وہی نیکلس سیلاب زدگان کے نام کر دیا جب کہ ہماری خاتونِ اوّل اور دیگر تمام مقتدر خواتین اس طرح کے کارِ خیر کی توفیق سے محروم رہیں۔ ہاں انہوں نے یہ ضرور کیا کہ مہمانوں کی دعوت میں جملہ زیورات و آرائش کے ساتھ شریک ہوئیں اور مہمانوں کے لیے گراں قدر تحفے بھی لائیں کیوں کہ وہ بھی تو کبھی مہمان ہوں گی ہی۔ لیکن مہمانوں کے جذبہ ایثار و خدمت نے ان کی صحت پر کوئی اثر نہیں ڈالا کہ وہ بھی کم از کم برائے وزن بیت (For Formality) ہی شریک ہو جاتیں۔

تو قارئین کرام! جمہوریت کے جو مفادات اور ثمرات بتائے جاتے ہیں عوام کی ضرورت تو وہ ہیں نہ کہ ہمارے حاکموں کے اللے تللے۔

مذکورہ بالا مختصر تفصیلات سامنے رکھ کر آپ خود فیصلہ کریں کہ کیا وہی جمہوریت ہے جو مغرب میں رواں دواں ہے؟ اگر نہیں تو پھر ہمیں وہ جمہوریت چاہیے جو جمہوری ملکوں میں نظریہ و فکر کی مضبوطی، دیانت و محنت سے مرکب اور اپنے دین وطن اور عوام کی وفاء سے مزین ہو اگر یہ نہیں تو پھر ع باز آئے ہم اس ''جمہوریت'' سے اٹھا لو پاندان اپنا۔

درس قرآن

قسط نمبر ⑲

تفسیر سورۂ ق

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴾

''وہ دن جب ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کیا اور کچھ ہے۔'' [ق: ۳۰]

یہ جہنمیوں کے بارے میں اللہ کے غضب کا اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کو اپنی شانِ بے نیازی سے جہنم میں پھینک دے گا اور پھر اس سے پوچھے گا تیرا پیٹ بھرا ہے یا نہیں؟ جہنم سے اس کے بھرے جانے کا سوال اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

﴿ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ ﴾ [هود: ۱۱۹، السجدة: ۱۳]

''کہ میں شیطان اور اس کے متبعین سے جہنم کو بھروں گا۔''

اسی فیصلے کی بنا پر اللہ جہنم سے پوچھے گا کیا تو بھر گئی ہے؟ تو وہ جواب دے گی کیا اور کچھ ہے، اس میں جہنم کے غصے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بڑے غیظ وغضب سے کہے گی: ابھی اور ہیں تو لایئے آج کوئی مجرم چھوٹنے نہ پائے، مجھ میں ابھی بڑی گنجائش ہے۔ صحیح بخاری میں اسی آیت کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں مجرموں کو پھینکا جائے گا اور وہ کہتی جائے گی ابھی کیا اور کچھ ہے۔ تا آنکہ اللہ رب العزت اس میں اپنا قدم رکھیں گے تو وہ سمٹ جائے گی اور پکار اٹھے گی: بس بس! [بخاری، رقم: ۴۸۴۸، ۶۶۶۱، ۷۳۸۴، صحيح مسلم: ۷۱۷۷]

یہی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ [صحیح بخاری، رقم: ۴۸۴۹، ۴۸۵۰، ۷۴۴۹ وغیرہ]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ تفصیل بھی ہے کہ جنت اور دوزخ باہم آپس میں تکرار کرنے لگیں، دوزخ نے کہا: مجھ میں وہ لوگ ہوں گے جو بڑے مغرور وسرکش ہیں، جنت نے کہا: معلوم نہیں کیا وجہ مجھ میں وہ لوگ آئیں گے جو مسکین غریب اور نظروں سے گرے ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے میں تیرے ذریعے سے اپنے جن بندوں پر چاہوں گا رحم کروں گا، اور جہنم سے فرمایا: تو میرا غضب ہے میں تیرے ذریعے سے اپنے جن بندوں کو چاہوں گا عذاب دوں گا، میں تم دونوں کو بھروں گا، دوزخ تو کسی طرح نہ بھرے گی تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا پاؤں رکھے گا، تب وہ کہے گی: بس بس، اور پھر وہ سمٹ جائے گی اور اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر ظلم نہیں کرے گا۔

اور رہی جنت تو اس کو بھرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اور مخلوق پیدا کرے گا۔ یہی روایت صحیح مسلم (رقم: ۷۱۷۶) اور مسند امام احمد میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس کا تذکرہ اپنی تفسیر میں کیا ہے۔

یہاں ایک بات غور طلب ہے۔ پہلی تو یہ کہ ان روایات میں ''حَتّٰى يَضَعَ قَدَمَهُ''. ''فَيَضَعُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَدَمَهُ''. ''حَتّٰى يَضَعَ رِجْلَهُ''. ''حَتّٰى يَضَعَ فِيْهَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ قَدَمَهُ.''

کے الفاظ ہیں کہ اس میں یا اس پر اللہ تعالیٰ اپنا قدم رکھیں گے۔ اس کا کیا مفہوم ہے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ سلف، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کا اس مسئلہ میں اور اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً وجہ، ید، سمع، بصر، کلام، نزول، علو، استویٰ وغیرہ میں موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات اسی طرح بلا تاویل وتفسیر تسلیم کرنی چاہئیں، مگر بہت سے علماء نے جیسے دوسری صفات کے بارے میں تاویل کی، وہ یہاں بھی

اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں اور اس تاویل میں ان کی آراء نہایت مختلف ہیں۔حتیٰ کہ بعض نے تو سرے سے حَتّٰی یَضَعَ الرِّجْلَ کے الفاظ کا انکار ہی کر دیا، تا کہ نہ رہے سر نہ ہو درد سر۔مگر حافظ ابن حجر ؒ نے فرمایا ہے کہ یہ قول مردود ہے کیوں کہ صحیحین میں یہ الفاظ ثابت ہیں۔

[فتح الباری، ص: ٥٩٦، ج: ٨]

صحیح بات یہی ہے کہ دیگر صفاتِ الٰہیہ کی طرح یہاں بھی ائمہ سلف کی طرح تاویل کی بجائے صفت "قدم" یا "رجل" کو علی حالہ تسلیم کیا جائے۔ اور اللہ کے جو شایانِ شان ہے اس کے مطابق اسے بھی مانا جائے۔

امام ماتریدی ؒ نے تفسیر میں اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر ایک اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو جہنم کو سرکشوں سے بھرنے کا فرمایا ہے، جب کہ اس حدیث میں ''قدم'' یا ''رجل'' کے ذریعے سے بھرنے کا تاثر نکلتا ہے۔لیکن یہ اعتراض درست نہیں، کیوں کہ حدیث میں ہے کہ قدم رکھنے سے جہنم سمٹ جائے گی اور پکار اٹھے گی، بس، بس! گویا قدم سے اس کی وسعت ہی کم پڑ جائے اور وہ سکڑ جائے گی۔اور یوں سکڑ کر وہ بھر جائے گی۔اس لیے یہ اعتراض درست نہیں۔

یہاں یہ بھی پیش نگاہ رہے کہ بخاری شریف (رقم: ۴۸۵۰) میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کی حدیث میں جیسا کہ اوپر گزرا ہے کہ جنت کو بھرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اور مخلوق پیدا کرے گا۔لیکن بخاری شریف ہی میں ہے کہ جہنم نہیں بھرے گی تا آنکہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق پیدا کرے گا اور اسے جہنم میں ڈالے گا اور وہ کہے گی کیا اور بھی ہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا۔[بخاری، کتاب التوحید، رقم: ٧٤٤٩]

حالاں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کے مطابق نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر ظلم نہیں کرتے تو اس وقت مخلوق کو پیدا کر کے بلا جرم جہنم میں ڈال دینا کیوں کر ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ اگر بلا جرم سزا دیں تو وہ اس پر قادر ہیں، ایسا کرنے سے بھی کوئی اس سے سوال نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ صرف جواز اور امکان کے درجہ میں ہے۔اہل سنت اس کے وقوع کے قائل نہیں جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں۔اسی لیے بعض حضرات نے اس کی مختلف تاویلات کی ہیں۔مگر حافظ ابن قیم ؒ اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ اس روایت میں قلب ہو گیا ہے اور اصول حدیث کی اصطلاح میں یہ روایت مقلوب ہے۔اصل روایت میں تو جنت کے لیے نئی مخلوق پیدا کر کے اسے جنت میں داخل کرنے کا ذکر ہے، مگر راوی کی غلطی سے اس کا ذکر جہنم کے بارے میں ہو گیا۔تفصیل کے لیے فتح الباری (ص:۴۳۷، ج:۱۳) ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ امام بخاری ؒ نے یہ روایت "بَابُ اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ" میں ذکر کی ہے۔اور حدیث میں فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِلْجَنَّةِ ، أَنْتِ رَحْمَتِيْ ''کہ اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا تو میری رحمت ہے'' سے اللہ کی رحمت پر استدلال ہے۔اور حدیث کا قابل اعتراض جملہ امام صاحب کی غرض ومقصود کے منافی ہے۔انہوں نے یہ جیسے شیوخ سے سنا بیان کر دیا۔اس سے ان کا کوئی استدلال ہوتا تو تفسیر میں "بَابُ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ" میں لاتے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ امام بخاری ؒ کا اسلوب ہے کہ اگر روایت میں کوئی جملہ محل نظر ہو تو وہ اسے اپنے مقصود باب میں نہیں لاتے، اور نہ ہی اس سے ان کا استدلال ہوتا ہے، اور اس قسم کے جملوں سے امام بخاری ؒ پر اعتراض بجائے خود ان کے اسلوب کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

یہاں حدیث ہی کی موافقت سے یہ بات بھی یاد رہے کہ جنت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ میری رحمت ہے، گویا اللہ کی رحمت کا مظہر جنت اور اس کے انعامات ہیں۔بعض حضرات جو فرماتے ہیں کہ اللہ سے جنت طلب نہیں کرنی چاہیے یہ طلب تو پھر مخلوق کی طلب ہے، خالق سے خود خالق کی محبت طلب کرنی چاہیے، مگر ان کا یہ خیال درست نہیں جنت کی طلب اس لیے کہ وہ محل دیدارِ محبوب ہے اور اللہ کی رحمت کا مظہر ہے، اور دوزخ اس کی ضد ہے اور اللہ کے غضب کا مظہر ہے۔رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس کا سوال کرتے

اور دوزخ سے پناہ طلب کرتے تھے اور یہی تعلیم آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی اور اللہ تعالیٰ سے جنت طلب کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت مبارکہ میں ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ کہ کیا اور کچھ ہے، کو استفہام انکاری کے مفہوم میں لیا ہے کہ کیا مجھ میں کوئی گنجائش باقی رہی ہے کہ مجھ میں اور زیادتی کی جائے، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ سے منقول ہے۔ مگر امام ابن جریر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ان حضرات کا یہ موقف تب درست ہے جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھ لیں گے اور وہ بس بس پکارے گی۔

ظاہر ہے کہ اگر یہ تاویل اللہ تعالیٰ کے قدم رکھنے سے پہلے قرار دی جائے تو یہ جہنم کی وسعت، اس کے جوش وغضب، جس کا ذکر قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں آیا ہے، کے منافی معلوم ہوتی ہے۔

اس آیت میں جہنم کی وسعت کا بیان ہے یا اس کے بھر جانے کا بیان ہے، دونوں صورتیں جہنمیوں کی غم ناکی اور مزید فکرمندی کا باعث ہیں، پہلی صورت میں جہنمی یہ سن کر کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کو بھرنے کا وعدہ کیا تھا اور آج اس سے پوچھا جا رہا ہے کہ تو بھری ہے یا نہیں، اور وہ جوشِ غضب سے کہہ رہی ہے کہ ابھی اور ہیں تو لاؤ، ابھی بڑی گنجائش ہے۔ کفار ومشرکین اور پریشان ہو جائیں گے کہ ابھی یہ بھری نہیں تو اس سے نکلنے کی امید کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اب جب اسے بھرنے کے لیے مزید مجرموں کو اس میں ٹھونسا جائے گا تو یہ مزید تنگی اور پریشانی میں اضافے کا باعث بنے گا۔

دوسری صورت میں جب جہنمی سنیں گے کہ دوزخ کہہ رہی ہے کہ میں بھر چکی، مجھ میں کوئی گنجائش نہیں، اور کیا ابھی باقی ہیں، تو تب بھی یہ ان کی مزید پریشانی کا باعث ہے کہ یہاں تو پہلے ہی ایک دوسرے پر لعن وطعن، چیخ وپکار اور مختلف اذیتوں میں پھنسے ہوئے ہیں اگر اور لا کر یہاں پھینک دیئے گئے تو تنگی اور تکلیف اور بڑھ جائے گی۔

خلاصہ کلام یہ کہ جہنم میں انواع واقسام کے عذاب اور تکالیف کو برداشت کرتے کرتے عذاب میں تخفیف کی اپیلوں اور موت کی تمناؤں اور التجاؤں میں اپنے آپ کو نامراد پائیں گے تو دوزخ کا یہ جواب مزید ان کی اذیت میں اضافہ کا باعث بنے گا۔ اعاذنا اللہ منہ

یہاں یہ جہنم اور جنت کو مخاطب کرنے کا جو ذکر آیا یہ محض تصوراتی نہیں کہ بس جہنم سے ڈرانا مقصود ہے اور نہ ہی مجازی ہے کہ جہنم وجنت تو کوئی ذی روح اور زندہ بولنے والا وجود نہیں کہ ان سے کلام ہو سکے۔ بلکہ یہ کلام اور مخاطبت حقیقی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جس سے چاہے کلام کرے اور اسے بولنے سننے کی قوت وطاقت عطا فرما دے۔ اگر اللہ تعالیٰ زبان کے علاوہ انسانی اعضاء کو بولنے اور ان سے شہادت لینے پر قادر ہے، پہاڑوں سے، زمین وآسمان سے بلکہ اپنی ہر مخلوق سے کلام کرنے اور ان سے جواب طلب کرنے پر قادر ہے تو جنت ودوزخ سے یہ تخاطب بھی بالکل ممکن اور حقیقت پر مبنی ہے۔

قرآنِ مجید کی یہ آیت کریمہ فصاحت وبلاغت کا شاہکار ہے۔ علامہ طنطاوی رحمہ اللہ نے اس حوالے سے ایک بڑا دلچسپ واقعہ ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ۱۳ جون ۱۹۳۲ء کو میری ملاقات معروف مصری ادیب کامل گیلانی سے ہوئی، انہوں نے ایک عجیب واقعہ بیان فرمایا کہ میرے امریکی مستشرق پروفیسر فنکل کے ساتھ گہرے علمی وادبی تعلقات تھے، ایک روز میں ان کے ساتھ تھا، تو انہوں نے میرے کان میں چپکے سے کہا: ''کیا دوسرے لوگوں کی طرح تم بھی قرآن کو معجزہ تسلیم کرتے ہو؟''

یہ کہہ کر وہ معنی خیز ہنسی ہنسنے لگا۔ جو اس بات کا اشارہ تھا کہ قرآنِ مجید کو معجزہ قرار دینے کی کوئی حقیقت نہیں، مسلمان محض تقلیداً اسے تسلیم کر رہے ہیں۔ ان کا یہ حال دیکھ کر مجھے بھی ہنسی آ گئی۔ میں نے کہا: قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ کیا ہم اس جیسا کلام مرتب کر سکتے ہیں یا نہیں، تجربہ سے خود بخود اندازہ ہو جائے گا کہ ہم ایسا کلام کرنے پر قادر ہیں یا نہیں۔ چناں چہ میں نے استاد فنکل سے کہا: آیئے ہم ایک قرآنی مفہوم کو عربی الفاظ میں مرتب کرتے ہیں۔ وہ مفہوم یہ ہے کہ ''جہنم بہت وسیع ہے۔'' انہوں نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ ہم قلم کاغذ لے کر بیٹھ گئے اور ہم نے باہم مشورہ سے تقریباً بیس عربی جملوں

میں اس مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کی، وہ جملے یوں تھے:

إن جهنم واسعة۔ إن جهنم لأوسع مما تظنون .

إن سعة جهنم لا يتصورها عقل الإنسان .

إن جهنم لتسع الدنيا كلها .

إن الجن والإنس إذا دخلوا جهنم لتسعهم ولا تضيق بهم .

كل وصف في سعة جهنم لا يصل إلى تقريب شيء من حقيقتها .

إن سعة جهنم لتصغر أمامها السماوات والأرض

كل ما خطر ببالك في سعة جهنم فإنها لأرحب منه وأوسع .

سترون من سعة جهنم ما لم تكونوا لتعلموا به أو تتصوروه .

مهما حاولت أن تتخيل سعة جهنم فأنت مقصر ولن تصل إلى شيء حقيقتها .

إن البلاغة المعجزة لتقصر وتعجز أشد العجز عن وصف سعة جهنم .

إن سعة جهنم قد تخطت أحلام الحالمين وتصور المتصورين .

متى أمسكت بالقلم وتصديت لو صف سعة جهنم أحسست بقصورك وعجزك .

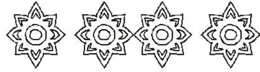
إن سعة جهنم لا يصفها وصف ولا يتخيلها وهم ولا تدور بحسبان .

كل وصف لسعة جهنم إنما هو فضول وهذيان .

جب ہم دونوں نے اپنی کوشش مکمل کرلی اور ہمارے پاس مزید الفاظ اور جملے نہ رہے تو میں نے استاد فنکل کی طرف فاتحانہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے کہا: جب ہم اپنی تمام تر کوشش اس مفہوم کو ادا کرنے میں صرف کر چکے ہیں تو اس سے آپ پر قرآن کی فصاحت و بلاغت کھل جائے گی۔ پروفیسر فنکل نے کہا: کیا قرآن نے اس مفہوم کو زیادہ فصاحت سے ادا کیا ہے؟ تو میں نے کہا: بالکل، بلکہ ہم تو قرآنِ مجید کے مقابلے میں بچے ثابت ہوئے ہیں۔ انہوں نے حیرت سے پوچھا کہ قرآن میں کیا ہے؟ میں نے سورۂ ق کی یہی آیت پڑھی:

﴿ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴾

تو وہ یہ سن کر حیران و ششدر ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے کہا آپ نے بالکل صحیح کہا میں کھلے دل سے اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں نے کہا: یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آپ نے حق کو تسلیم کرلیا ہے کیوں کہ آپ ادیب ہیں اور اسلوبِ کلام سے خوب واقف ہیں۔ یہ مستشرق انگریزی، جرمن، عبرانی اور عربی زبانوں پر دسترس رکھتا تھا اور ان زبانوں میں کتابوں کے مطالعہ میں اپنی عمر صرف کر دی تھی۔'' [الجواهر في تفسير القرآن، جز٢٣، ص: ١١١، ١١٢، مطبوعه ١٣٥١ھ]



ٹھیکیدار مستری سیف اللہ جوارِ رحمت میں

مؤسسہ مناہل الخیریۃ گوجراں والا کے دیرینہ خادم بھائی سیف اللہ جو عرصہ دراز سے ادارے کے ساتھ منسلک تھے اس سال سفر حج پر تھے کہ میدانِ عرفات میں اچانک بیمار ہوگئے۔ ان کے حج کے ساتھیوں عبداللہ عارف اور اسامہ عارف نے فوری طور پر انہیں ہسپتال پہنچایا اور ڈاکٹروں نے پوری کوشش کی۔ آخر وہ وقت آپہنچا جو ہر ذی روح کے لیے مقرر ہے۔ ہمارے یہ انتہائی پیارے بھائی جمعۃ المبارک کے دن ١٢ ذوالحجہ ١٩ نومبر ٢٠١٠ء کو اپنے خالق حقیقی کو جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے اپنے پیچھے ٢ بیٹے، ٣ بیٹیاں اور ایک بیوہ اور بوڑھی ماں سوگوار چھوڑے ہیں۔ اللہ ان سب کو صبر جمیل سطا فرمائے اور ہمارے بھائی سیف اللہ کو اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ قارئین سے التماس ہے کہ ہمارے اس بھائی کے لیے بلندیٔ درجات کے لیے دعا فرمائیں۔ [شریک غم: عارف جاوید محمدی، لجنۃ القارۃ الہندیہ الکویت ومؤسسۃ مناہل الخیریۃ گوجراں والا]

درسِ حدیث

توفیـــق البـــــاری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

باب :قول الرجل: لا بلّ شانئك

کسی کولا بل شانئك کہنا

۸۰۲ . عن أبو عبدالعزيز قال: أمسٰى عندنا أبو هريرة، فنظرَ إلى نجمٍ على خِيَالِهِ، فقال: والذى نفسُ أبى هريرةَ بيدِهِ ليودَنَّ أقوامٌ وَلَوْا إماراتٍ فى الدّنيا وأعمالاً، أنَّهم كانوا متعلَّقينَ عندَ ذٰلك النَّجْم، ولم يَلُوا تلكَ الإماراتِ ولا تلكَ الأعمال، ثم أقبلَ علىَّ فقالَ: لا بُلّ شَانِئُكَ، أكلُّ هٰذا سَاغَ لأهلِ المشرقِ فى مَشْرِقِهِمْ؟ قلتُ: نعم واللّهِ! [قالَ]: لقدْ قبح اللّه، ومكر، فوَالَّذِى نفسُ أبى هريرة بيدِهِ، ليسوقُنّهم حُمُراً غِضَاباً، كأنَّما وُجُوهُهُم المَجَانَّ المُطْرَقة، حتى يلحقُوا ذَا الزَّرْعِ بزرعهِ، وذَا الضِّرْعِ بضرعهِ.

[ضعيف الإسناد]

''ابوعبدالعزیز سے روایت ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک رات ہمارے پاس ٹھہرے۔انہوں نے اپنے سامنے آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے کو دیکھ کر کہاقسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں ابوہریرہ کی جان ہے وہ لوگ جن کو دنیا کی امارت وحکومت ملی ہے لوگوں پر حکمران بنائے گئے ہیں، قیامت کے دن اس بات کی تمنا کریں گے کہ کاش ہم اس ستارے کے ساتھ لٹکے ہوئے ہوتے دنیا کی امارت وحکومت ہمیں نہ ملی ہوتی نہ ہم لوگوں پر حکمران ہوتے۔اس کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے، کہا تیرا بھلا ہو کیا یہ سب کچھ اہل مشرق کے لیے مشرق میں (غرق) ہورہا ہے؟ میں نے کہا واللہ ایسا ہی ہورہا ہے۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ ان کو تباہ کرے اور اپنی خفیہ تدبیر سے ان کو ذلیل کرے۔پھر کہاقسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ابوہریرہ کی جان ہے ضرور ہانکیں گے ان کو سرخ رنگ غضبناک چہروں، چپٹے ناک والے گویا کہ ان کے چہرے کوٹی ہوئی ڈھالیں ہیں۔یہاں تک کہ وہ کاشت کاروں کو ان کی کھیتی اور مویشی پالنے والوں کو اس کے دودھ کے جانوروں کے پاس پہنچادیں گے۔''

باب :لا يقول الرجل: الله وفلان

اللہ تعالیٰ اور فلاں سے نہیں کہنا چاہیے

۸۰۳ . عن ابنُ جُرَيج: سمعتُ مغيثَ بنَ عمرَ، أنّ ابنَ عمر يسألهُ عن مولاهُ فقالَ: اللّٰهُ، وفُلان؟ قالَ ابنُ عمر: لا تَقُلْ كذٰلكَ، لا تَجْعَلْ معَ اللّٰهِ أحداً، ولٰكنْ قُلْ: فلانٌ بعدَ اللّٰهِ. [ضعيف]

''ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے مغیث بن عمر کو سنا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے ان سے ان کے آقا کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا اللہ ہے اور فلاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ایسا نہ کہو ان کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہراؤ بلکہ اس طرح کہو اللہ ہے اور اس کے بعد فلاں ہے۔''

باب:قول الرجل: ما شاء اللّٰه وشئت

اللہ چاہے اور آپ چاہیں نہیں کہنا چاہیے

٨٠٤ . عن ابن عبّاس ، قالَ رجلٌ للنّبيّ ﷺ: ما شاءَ اللّٰهُ وشِئْتَ قالَ: ((جَعَلْتَ للّٰهِ نِدًّا؟! مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ .)) [صحيح]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو کہا جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں آپؐ نے فرمایا تو نے اللہ کا ہمسر ٹھہرایا۔ بلکہ یوں کہہ کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے اللہ صرف اکیلا ہی ہے۔''

باب: الغناء واللهو

گانے اور لہو کا بیان

٨٠٥ . عن عبد اللّٰه بن دينار قال: خرجتُ مع عبدِ اللّٰه بن عمر إلى السّوق ، فمرَّ على جاريةٍ صغيرةٍ تُغَنّي ، فقالَ: إنَّ الشّيطانَ لو تَرَكَ أحدًا لتَرَكَ هٰذِهِ . [حسن الإسناد]

''حضرت عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بازار گیا۔ ایک چھوٹی سی لڑکی کے پاس سے گزرے وہ لڑکی گا رہی تھی آپ نے فرمایا شیطان اگر کسی کو چھوڑ تا تو ضرور اس معصوم لڑکی کو چھوڑ دیتا۔''

٨٠٦ . عن عمراً مولَ المطلب قال قال: سَمِعْتُ أنسَ بنَ مالك يقولُ: قالَ رسولُ اللّٰه ﷺ: ((لَسْتُ مِنْ دَدٍ ولا الدَّدُ منّي بشيءٍ)) يعني: ليسَ الباطلُ منّي بشيءٍ . [ضعيف]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں لہو ولعب والا نہیں ہوں اور نہ لہو ولعب کے ساتھ میرا تعلق ہے۔ فضول اور باطل کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

٨٠٧ . عن ابن عبّاس: ﴿ ومِنَ النَّاس مَنْ يَشْتَرِى لَهْوَ الحَدِيْثِ ﴾ قال: الغِنَاءُ وأَشْباهُهُ .

[صحيح الإسناد]

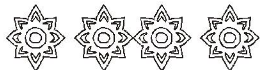
''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ﴿ومِنَ النَّاس مَنْ يَشْتَرِى لَهْوَ الحَدِيْثِ﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: اس سے مراد گانا ہے اور گانے کے ساتھ ملتی جلتی چیزیں میں کہتا ہوں کہ لفظ لہو الحدیث جس طرح گانے کو شامل ہے اسی طرح ہر لہو وکلام ناجائز کو شامل ہے جیسے قصے کہانی کی کتابیں اور آلاتِ موسیقی اور ٹریننگ سنٹر۔''

٨٠٨ . عن البرّاء بن عازب قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: ((أَفْشُوا السَّلامَ تَسْلَمُوا ، والأَشَرَةُ شَرٌّ .)) قال أبومعاوية: والأَشَرُ العَبَثُ . [حسن]

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سلام پھیلاؤ تاکہ تم سلامت رہو اور اشرہ شر یعنی فضول بکواس بری ہے۔ ابومعاویہ کہتے ہیں الاشر عبث فضول کاموں کو کہتے ہیں۔''

٨٠٩ . عن فُضَالَةَ بنِ عُبيد ، وكانَ بجمعٍ منَ المجامع ، فبلغَهُ أنّ أقواماً يلعبُون بالكوبة ، فقام غضباناً ينهٰى عنها أشد النهي ثم قال: ألا إن اللاعِبَ بها لَيَأْكُلُ قَمرَها كآكِلِ لحمِ الخِنْزِيْرِ ، ومتوضىء بالدَّم - يعنى بالكوبة: النّرد - . [ضعيف الإسناد]

''حضرت فضالہ بن عبید ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے ان کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگ شطرنج کھیل رہے ہیں وہ غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور بڑی سختی کے ساتھ روکنے لگے پھر فرمایا خبردار شطرنج کھیلنے والا اس سے حاصل کیا ہوا مال کھانے والا سور کے گوشت کے کھانے کے برابر ہے اور سور کے خون سے وضو کرنے والا ہے۔''



افتاء

خاوند اپنی آزاد مرضی سے بیوی کو حق طلاق تفویض کرسکتا ہے؟

مولانا عبیداللہ خاں عفیف صاحب (جامع مسجد امۃ العزیز اہل حدیث، فیصل آباد)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا خاوند طلاق کا حق اپنی بیوی کو تفویض کرسکتا ہے یا نہیں؟ بیوی کے اقرباء، جبر وزور سے کہیں کہ تم (خاوند) اپنا حق تطلیق اپنی بیوی کو تفویض کرو گے تو ہم آپ کے پاس آپ کی بیوی کو بھیج دیتے ہیں، کیا یہ چیز قرآن وسنت کی روشنی میں جائز ہے؟

[ایک سائل]

جواب: الجواب بعون الوہاب ومنہ الصدق والصواب: بشرط صحت سوال شریعت نے طلاق کا حق اصلاً شوہر کا رکھا ہے۔ شوہر کے اس حق کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو اس کے بعد طلاق کا حق شوہر بیوی کو تفویض کرسکتا ہے کیوں کہ تفویض درع ہے اصل میں اس حق کی جو شریعت نے مرد کو عطا کر رکھا ہے۔ اسلام نے بوجوہ ذیل طلاق کا حق صرف شوہر کو دیا ہے، بیوی یا کسی اور کو طلاق کا حق حاصل نہیں۔

اوّل: اس لیے کہ شوہر نے نکاح کے جملہ اخراجات اپنی گرہ سے کیے ہوتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ طلاق کی صورت میں دوسری شادی پر عام طور پر زیادہ اخراجات برداشت کرنا پڑیں گے اس لیے وہ طلاق کے برعکس نباہ کا زیادہ حریص ہوتا ہے۔

دوم: اس لیے کہ وہ طلاق کی صورت میں باقی ماندہ مہر کے علاوہ بطور حوصلہ افزائی کے گھر سے روانہ کرتے وقت بحکم قرآن ﴿حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [بقرہ: ۲۳۶] بقدر استطاعت مطلقہ بیوی کو کچھ نہ کچھ تحفہ بھی دینا پڑتا ہے۔ اور رجعی طلاق کی صورت میں عدت کی مدت پوری ہونے تک نان ونفقہ کا انتظام بذمہ شوہر ہوتا ہے جب کہ عورت پر اس قسم کے اخراجات کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی یہ اخراجات بھی طلاق کے لیے بڑی رکاوٹ واقع ہوتے ہیں۔

سوم: اس لیے عائلی ذمہ داریوں اور بسا اوقات پیش آمدہ پریشانیوں کا سامنا کرنے کی قوت بہ نسبت عورت کے مرد میں کہیں زیادہ ہوتی ہے جب کہ عورت ہلکی سی پریشانی، معمولی جھگڑے اور حقیر سی فرمائش میں ناکامی میں جھٹ طلاق کا مطالبہ کربیٹھتی ہے۔

چہارم: اس لیے کہ طلاق کے بعد دونوں خاندانوں میں جو کدورتیں اور نفرتیں پیدا ہوتی ہیں اور ان کی کوکھ سے دونوں خاندانوں کے سکون اور آبرو کو غارت کرنے والے گھمبیر مسائل اور ختم نہ ہونے والی عداوتیں سر اٹھا لیتی ہیں۔ عورت اپنی فطری کمزوری اور ناقص العقلی کی وجہ سے ان کا ادراک کرنے سے قاصر واقع ہوئی ہے۔ طلاق کے برے انجام سے آنکھیں موند کر طلاق پر مصر ہوجاتی ہے۔ یہ چار موٹی موٹی وجوہات وغیرہ ہیں جن کی وجہ سے شرع اسلام نے عورت کو طلاق کا حق تفویض نہیں کیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا﴾ [البقرة: ۲۳۱]

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ عدت ختم کرنے کو ہوں تو ان کو بھلے طریقے سے رکھ لو یا شریفانہ طرز سے چھوڑ دو اور دکھ دینے کے لیے ان کو مت روکنا کہ ظلم کرنے لگو۔“

(۲) ﴿یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ

عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴾

''مسلمانو! جب تم ایمان دار عورتوں سے نکاح کرو پھر جماع سے پہلے ہی تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر عدت کا کوئی حق نہیں کہ تم اس عدت کو گنتے رہو۔'' [الاحزاب : ٤٩]

(٣) ﴿ فَإِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ اَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ﴾ [الطلاق : ٢]

''پھر جب وہ اپنی عدت کو پہنچنے لگیں تو ان کو عزت کے ساتھ روک لیا کرو یا دستور کے موافق ان کو جدا کر دیا کرو۔''

ان تینوں آیات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ طلاق اور طلاق کے بعد امساک (رجوع) کا حق صرف ناکح (خاوند) ہی کو ہے، عورت یا غیر خاوند کو ہرگز نہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فجعل الطلاق لمن نكح لان له الامساك وهو الرجعة . [فقه السنة، ج: ٢، ص: ٢٢٠]

''یعنی اللہ تعالیٰ نے ان آیات مقدسہ میں طلاق کی نسبت خاوند کی طرف کی ہے کیوں کہ رجوع کا حق بھی خاوند کو حاصل ہے، عورت کو نہیں۔''

(٤). عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سَيِّدِيْ زَوَّجَنِيْ اَمَتَهُ وَهُوَ يُرِيْدُ اَنْ يُفَرِّقَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمَا قَالَ فَصَعِدَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمِنْبَرَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ مَا بَالَ اَحَدِكُمْ يُزَوِّجُ عَبْدَهُ اَمَتَهُ ثُمَّ يُرِيْدُ اَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَهُمَا اِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ اَخَذَ بِالسَّاقِ . [ابن ماجة باب طلاق العبد، ج: ٢، ص: ٥٢، اروآء الغليل، ج: ٧، ص: ١٠٨]

''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرے آقا نے اپنی لونڈی کا میرے ساتھ نکاح کر دیا ہے مگر اب وہ میرے اور میری بیوی کے درمیان جدائی ڈالنا چاہتا ہے تو رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا لوگو! فلاں بڑا عجیب آدمی ہے کہ اپنی لونڈی کا نکاح اپنے غلام کے ساتھ کر کے اب ان میں تفریق ڈالنا چاہتا ہے۔ تو یاد رکھو طلاق اس کا حق ہے جو بیوی کی ٹانگ کو چھوتا ہے یعنی خاوند کو ہی طلاق کا حق ہے بیوی یا کسی اور کو طلاق کا حق نہیں پہنچتا۔''

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ طلاق کا حق صرف خاوند کے ساتھ مخصوص ہے یہی وجہ ہے کہ جمہور فقہاء سلف وخلف طلاق دیتے وقت گواہی کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں کہ طلاق چوں کہ خاوند کا حق ہے اور اپنا یہ حق استعمال کرتے وقت گواہوں کی گواہی کا محتاج ہرگز نہیں۔

ذهب جمهور الفقهاء عن السلف والخلف الى ان الطلاق يقع بدون اشهاد لان الطلاق من حقوق الرجل ولا يحتاج الى بينة كى يباشر حقهٗ ولم يرد عن النبى ﷺ ولا عن الصحابة ما يدل على مشروعية الاشهاد .

[فقه السنة، ج: ٢، ص: ٢٢٠]

''رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے طلاق پر گواہی کے بارے میں کچھ بھی وارد نہیں۔ خاوند کا یہ ایسا شرعی حق ہے جو جبر واکراہ کے ساتھ چھینا نہیں جا سکتا۔ واضح رہے شرعی حکم کی پابندی ارادہ اور اختیار پر مبنی ہے اس لیے مکرہ (مجبور) کی طلاق شرعاً معتبر نہیں ہوتی۔ کیوں کہ وہ مسلوب الاختیار والارادہ ہوتا ہے۔'' یعنی نہ صاحب اختیار ہوتا ہے اور نہ صاحب ارادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا کلمہ کفر پر مجبور شخص شرعاً کافر نہیں ہوتا۔

جیسا کہ فرمایا:

﴿ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ ﴾ [النحل: ١٠٦]

اسی طرح وہ شخص شرعاً مسلمان تصور نہ ہوتا جس کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہو اور اسی طرح مکرہ (مجبور) شخص سے اگلوائی یا لکھوائی گئی شرعاً طلاق نہیں ہوگی۔

حدیث میں ہے:

١۔ عن ابى هريرة قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ

اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِيْ عَمَّا تُوَسْوِسُ بِهٖ صُدُوْرُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ اَوْ تَتَكَلَّمُ بِهٖ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ .

٢۔ عن ابی ذر الغفاری قال رسولُ اللّٰه ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِيْ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَاءَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ .

٣۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وُضِعَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَاءَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا . [سنن ابن ماجه طلاق المكره والناسي، ص: ١٤٨، واخرجه ابن حبان والدارقطني والطبراني والحاكم وحسنه النووي، فقه السنة، ج: ٢، ص: ٢١٢]

ان تینوں احادیث کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے صدری خیالات اور وساوس معاف کردیے ہیں جب تک وہ ان پر عمل نہ کرے یا زبان سے بول کر ادا نہ کرے اور وہ عمل بھی معاف کردیا گیا جس پر انسان کو مجبور کیا گیا ہو یعنی طلاق وغیرہ۔

سید سابق فرماتے ہیں:

والی هذا ذهب مالك والشافعي واحمد وداود من فقهاء الا مصار وبه قال عمر ابن الخطاب وابنه عبد اللّٰه وعلي بن ابي طالب وابن عباس . [فقه السنة، ج: ٢، ص: ٢١٢]

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام داؤد و دیگر فقہاء امصار اسی طرف گئے ہیں کہ مکرہ (مجبور) شخص کی طلاق شرعاً معتبر نہیں ہوتی۔ حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عباس کا بھی یہی مذہب اور فتویٰ ہے کہ مکرہ یعنی جبر و زبردستی سے حاصل شدہ طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی۔ احناف طلاق مکرہ کے قائل تو ہیں مگر اس کی کوئی صحیح دلیل پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

لہٰذا آمدم برسر مطلب کہ جس طرح خاوند کو ایقاع طلاق پر مجبور کرنا شرعاً جائز نہیں اور مکرہ کی طلاق شرعاً معتبر نہیں ہوتی بعینہ بیوی کے اقرباء کے لیے شرعاً یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ خاوند کو مجبور کریں کہ وہ اپنا حق تطلیق بیوی کو تفویض کردے۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو وہ حدود اللہ سے تجاوز کے مرتکب ہوں گے۔

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ [البقرة: ٢٢٩]

''یہ حدودِ الٰہی ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہی ظالم ہیں۔''

نیز فرمایا......

﴿ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾

''یہ اللہ کی حدود ہیں جاننے والوں کے لیے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔'' [البقرة: ٢٣٠]

رہا یہ سوال کہ خاوند طلاق کا حق بیوی کو تفویض کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو واضح رہے کہ اہل ظاہر اس کے قائل نہیں، ان کا موقف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کا حق مردوں کو دیا ہے عورتوں کو نہیں دیا۔ لہٰذا اگر مرد اپنا یہ حق عورت کو تفویض کردیتا ہے اور عورت اس تفویض کے بعد خود طلاق دیتی ہے تو یہ عورت شرعاً ہرگز مطلقہ نہ ہوگی۔ مگر دوسرے علماء کہتے ہیں کہ طلاق چوں کہ خاوند کا حق ہے۔ لہٰذا جس طرح وہ اپنے اس حق کو خود استعمال کرنے کا مجاز ہے اسی طرح بعینہ اپنے اس حق کو بیوی کو تفویض کرسکتا ہے بشرطیکہ اس کی یہ تفویض کسی جبر اور زبردستی یا نشہ پر مبنی نہ ہو۔ لہٰذا شوہر اگر اپنی بیوی کو یوں کہے کہ تجھے میرے ساتھ آباد رہنے یا الگ ہونے کا اختیار ہے اور بیوی طلاق اختیار کرلیتی ہے تو وہ مطلقہ ہوجائے گی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو اختیار دیا تھا تو انہوں نے آپ ﷺ کو اختیار کرلیا تھا۔ اس لیے وہ مطلقہ نہیں قرار دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴾ [الاحزاب: ٢٨]

''اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور

زیب وزینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی سے چھوڑ دوں۔''

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَيَّرْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاخْتَرْنَا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَلَمْ يُعَدَّ ذَالِكَ عَلَيْنَا شَيْئًا .

[صحیح البخاری، باب من خیر نسائه، ج: ۲، ص: ۷۹۲]

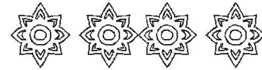
''حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو اختیار دیا تو ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اختیار کر لیا۔ اس لیے اس اختیار کو ہمارے حق میں طلاق شمار نہیں کیا گیا۔''

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَيَّرَ نِسَآئِهِ فَلَمْ يَكُنْ طَلَاقًا . [صحیح مسلم، باب بیان ان تخییره امرأته لا یکون طلاقا الا بالنیة، ج: ۱، ص: ۴۸۰]

''حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو نکاح میں رہنے نہ رہنے کا اختیار دے دیا تو یہ اختیار طلاق نہ ٹھہرا۔''

ان احادیث صحیحہ سے واضح ہوا کہ اگر ازواج مطہرات دنیا کی زندگی اور اس کی زیب وزینت کو ترجیح دیتیں تو یہ اختیار طلاق تصور ہوتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ خاوند بلا کسی جبر واکراہ کے آزاد مرضی سے بیوی کو حق طلاق تفویض کر سکتا ہے۔ مگر بیوی کے اقرباء خاوند کو تفویض طلاق پر مجبور نہیں کر سکتے اور جبر واکراہ کے نتیجہ میں حاصل شدہ حق تفویض بیوی استعمال کرنے کی ہرگز مجاز نہ ہوگی۔

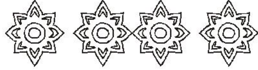
هذا ما عندی و الله تعالٰی اعلم.



مجلّہ بحر العلوم السّلفیہ کا پیر بدیع الدین راشدی ؒ نمبر

مجلّہ بحر العلوم السّلفیہ، سٹلائٹ ٹاؤن، میرپور خاص سندھ کا پیر بدیع الدین راشدی ؒ کے گوشۂ زندگی پر ایک خاص نمبر تیاری کے مراحل میں ہے۔ احبابِ قلم یکم فروری ۲۰۱۱ء سے قبل اپنی نگارشات ارسال فرما دیں۔ خطوط، مضامین، فتاویٰ یا دیگر معلوماتی مضامین قابل اشاعت ہوں گے، اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔

[(مولانا) افتخار احمد الازہری، (مدیر) مجلّہ بحر العلوم السّلفیہ سٹلائٹ ٹاؤن میرپور خاص سندھ۔ فون: 0300-2819002]



دوسرا رخ

جمہور صحابۂ کرام اور ایامِ قربانی

حافظ زبیر علی زئی

قربانی کے تین دن ہیں یا چار؟ اس بارے میں علمائے اہل حدیث کے درمیان اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں ایک مرفوع روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایامِ تشریق ذبح کے دن ہیں، لیکن یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے جیسا کہ راقم الحروف نے تحقیق کر کے ثابت کر دیا ہے۔ [دیکھئے میری کتاب توضیح الاحکام، ج:۲ص:۱۷۷۔۱۸۹ قربانی کے تین دن ہیں]

اس روایت کو شیخ البانی، حافظ الیاس اثری اور ڈاکٹر محمد شریف شاکر وغیرہم میں سے کوئی بھی باسند صحیح ثابت نہیں کر سکا، بلکہ سب ناکام رہے ہیں۔

روایت کے ضعیف و مردود ہونے کے بعد عرض ہے کہ سلف صالحین میں قربانی کے دنوں میں اختلاف رہا ہے، جس کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: جمہور صحابہ کرام یعنی سیّدنا علی، سیّدنا عبداللہ بن عمر، سیّدنا عبداللہ بن عباس اور سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔ [دیکھئے ماہنامہ الحدیث، حضرو:۴۴ص:۱۰]

صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی سے بھی باسند صحیح یا حسن لذاتہ یہ ثابت نہیں کہ قربانی کے چار دن ہیں۔ اس سلسلے میں حافظ الیاس اثری اور ڈاکٹر محمد شریف وغیرہما جو آثارِ صحابہ پیش کرتے ہیں، وہ سارے کے سارے بے سند اور غیر ثابت ہونے کی وجہ سے مردود کے حکم میں ہیں۔ ان کے مقابلے میں صرف سیّدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے آخری ذوالحجہ تک قربانی کرنے کا قول آیا ہے۔

[السنن الکبریٰ للبیهقی: ۹/۲۹۷، ۲۹۸ وسندہ صحیح]

یہ قول جمہور صحابہ اور خصوصاً خلیفہ راشد سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔

۲: تابعین میں سے امام حسن بصری، امام عطاء بن ابی رباح اور امام عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ سے قربانی کے چار دن ثابت ہیں۔

تابعین کرام کے یہ آثار چوں کہ صحابہ کرام کے آثار کے خلاف ہیں۔ لہٰذا اُن کے مقابلے میں صحابہ کرام کے آثار کو ہی ترجیح حاصل ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ محمد شریف شاکر صاحب کا ایک مضمون ''قربانی کے چار دن'' ہفت روزہ اہل حدیث لاہور میں شائع ہوا ہے۔

[ج:۴۱، شمارہ:۴۶، ص:۲۱، ۲۲ نومبر تا دسمبر ۲۰۱۰ء]

ہمارے اس مضمون میں شاکر صاحب کے اعتراضات ش ش کے مخفف سے اور اُن کے جوابات پیش خدمت ہیں:

ش ش (۱): ''موصوف کا یہ جواب نامکمل ہے کیوں کہ آپ نے بہت کچھ نظر انداز کر دیا۔'' [ص:۲۱]

عرض ہے کہ میرا جواب بحمداللہ مکمل ہے اور میں نے وہی باتیں نظر انداز کر دیں، جن کا اصل موضوع کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

ش ش (۲): ''میرے مضمون میں یہ عبارت ''کیا کوئی صاحب علم کسی منسوخ حدیث کو بطور دلیل پیش کر سکتا ہے؟ موصوف نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔'' [ص:۲۱]

الجواب: یہ موضوع سے غیر متعلقہ بات ہے، کیوں کہ میری دلیل سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول اور آثارِ صحابہ ہیں، جب کہ مشار الیہ حدیث کو توضیح الاحکام میں سائل کے سوال کا جواب لکھنے کے بعد آخر میں بطورِ فائدہ ذکر کیا گیا تھا اور ساتھ یہ بھی وضاحت کر دی گئی تھی کہ ''بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔''

[دیکھئے الحدیث، حضرو:۴۴ص:۱۱]

ماہنامہ الحدیث کا یہی تو وہ شان دار منہج ہے کہ قارئین کے سامنے دونوں رخ پیش کر دیئے جاتے ہیں اور اس منہج کے جواب سے تمام آلِ تقلید اور آلِ دیو بند عاجز و ساکت اخرس ہیں۔ والحمدللہ

کوئی صاحبِ علم بھی منسوخ حدیث کو منسوخ شدہ مسئلے کے جواز کے لیے بطورِ دلیل پیش نہیں کر سکتا اور نہ راقم الحروف نے کسی منسوخ حدیث کو کسی منسوخ شدہ مسئلے کے جواز کے لیے بطورِ دلیل کبھی پیش کیا ہے۔ رہی تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے والی منسوخ روایت تو منسوخ کی صراحت کے ساتھ اسے آخر میں بطورِ فائدہ ذکر کر کے یہ لکھ دیا تھا کہ ''اس ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ سے صراحتاً اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے اور آثار میں اختلاف ہے۔ لیکن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام کا یہی قول ہے کہ قربانی کے تین دن (عید الاضحیٰ اور دو دن بعد) ہیں، ہماری تحقیق میں یہی راجح ہے اور امام مالک وغیرہ نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم (۲ مئی ۲۰۰۷ء)

[الحدیث: ۴۴، ص: ۱۱]

یہ وہ عبارت ہے جس نے ش ش اور ان جیسے لوگوں کو پریشان و سرگرداں کر رکھا ہے اور بے چارے بھنبھیریاں کھا رہے ہیں۔

ش ش (۳): ''موصوف کی پیش کردہ منسوخ حدیث کے جواب میں علامہ ابن قیم......'' [ص: ۲۱]

الجواب: سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول اور آثارِ صحابہ کا جواب دیں، جو کہ راقم الحروف کے اعتراف و صراحت کے ساتھ پہلی دلیل ہیں۔

[دیکھئے میری کتاب، تحقیقی مقالات: ۳/۲۶۳]

کیا آپ اور آپ کے تمام مؤیدین کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ قربانی کے چار دن ہیں؟ رہی منسوخ حدیث اور حافظ ابن القیم وغیرہ کا کلام تو یہ میری اصل دلیل ہی نہیں بلکہ اسے بطورِ فائدہ ذکر کیا تھا اور اصل مسئلے میں وجہِ اعتراض نہ ملنے کی وجہ سے مخالفین اسی فائدے پر زور آزمائی کر رہے ہیں، حالاں کہ یہ ذیلی دلیل صرف میرا استدلال نہیں بلکہ مجھ سے پہلے ابن قدامہ حنبلی نے بھی یہی استدلال کیا ہے۔

[دیکھئے المغنی: ۹/۳۵۹، مسئلہ: ۷۸۸۳]

ابن قدامہ سے پہلے ابوالولید الباجی (متوفی ۴۹۴ھ) نے بھی اسی حدیث سے یہی استدلال کیا ہے۔ دیکھئے المنتقیٰ شرح الموطا للباجی: ۱۹۴/۴

قاضی عیاض مالکی (متوفی ۵۴۴ھ) نے بھی اپنے بعض مشائخ سے یہی استدلال نقل کیا ہے۔ دیکھئے اکمال المعلم بفوائد مسلم: ۶/۴۲۴

رہا حافظ ابن القیم کا یہ قول کہ ''یہ حدیث قربانی کرنے والے کو اپنی قربانی ذبح کرنے کے آغاز سے تین دن سے زائد گوشت ذخیرہ کرنے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔'' الخ

عرض ہے کہ حافظ ابن القیم نے اس بات کی کوئی صریح دلیل ذکر نہیں کی اور حافظ ابوالعباس القرطبی (متوفی ۶۵۶ھ) نے لکھا ہے:

واختلف في أول الثلاثة الأيام التي كان الإدخار جائزاً فيها . فقيل: أولها يوم النحر فمن ضحّى فيه جاز له أن يمسك يوم النحر ويومين بعده . ومن ضحّى بعده أمسك ما بقي له من الثلاثة الأيام من يوم النحر .

[المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم، ج: ۵، ص: ۳۷۶-۳۷۷]

''اور تین دنوں میں سے پہلے دن کے بارے میں اختلاف ہے، جس میں (گوشت کو) ذخیرہ کرنا جائز تھا، پس کہا گیا ہے: نحر والا دن (۱۰ ذوالحجہ) پہلا دن ہے۔ لہٰذا اس میں ذبح کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس دن اور اس کے بعد دو دن (گوشت) ذخیرہ کر لے۔ اور جو شخص اس (پہلے) دن کے بعد ذبح کرے تو تین دنوں میں سے جو باقی رہ گئے ہیں ان میں (گوشت) روک سکتا ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کے دوسرے دن ذبح کرنے والا دو دن تک گوشت رکھ سکتا تھا اور تیسرے دن ذبح کرنے والا صرف اسی دن ہی استعمال کر سکتا تھا۔

امام قرطبی نے دوسرا قول (حافظ ابن القیم کے مفہوم والا) بھی ذکر کیا

ہے اور اسے ظاہر قرار دیا ہے لیکن ان دونوں اقوال سے معلوم ہوا کہ حدیث کے مفہوم میں دونوں احتمال پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا بغیر کسی صریح دلیل کے صرف حافظ ابن القیم والے قول کو مستدل بنانا محل نظر ہے۔ واللہ اعلم

ش ش (۴): ''چار دن قربانی کرنے کے جواز میں جو میں نے امام شافعی کا درج ذیل قول ذکر کیا۔ حافظ زبیر علی زئی صاحب نے اس کا جواب نہیں دیا۔ **لانها أيام النسك" الخ** ۔[ص:۲۱]

الجواب: راقم الحروف نے لکھا تھا: ''امام شافعی اور عام اہل حدیث علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ قربانی کے چار دن ہیں۔'' [الحدیث:۴۴،ص:۱۱]

اور یہ ظاہر ہے کہ اس مسئلے میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کے اقوال مرجوح و ناقابل استدلال ہیں۔ چوں کہ سنت میں اس مسئلے کے بارے میں کوئی صریح راہنمائی موجود نہیں۔ لہٰذا آثار سلف صالحین (یعنی آثار صحابہ) کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

ش ش (۵): ''تو عرض ہے کہ کیا موصوف محترم کو اپنے ماہنامہ ''الحدیث'' حضرو کے شمار نمبر: ۴۴، ماہِ جنوری ۲۰۰۸ء میں اپنے بلاسند پیش کردہ آٹھ اقوال نظر نہیں آئے۔ دیکھیں اور بار بار دیکھیں! شاید اس شمارہ کے کسی کونے میں پڑی سندیں مل جائیں!!'' [ص:۲۱]

الجواب: راقم الحروف نے الحدیث حضرو نمبر ۴۴ سارا دیکھ لیا ہے اور بار بار دیکھا ہے لیکن اس میں ڈاکٹر اور پروفیسر صاحب (!) مذکور کے مزعومہ بلاسند آٹھ اقوال کہیں نظر نہیں آئے۔ لہٰذا مؤدبانہ عرض ہے کہ انہوں نے کذب و افتراء اور تہمت و بہتان کے راستوں پر گامزن لوگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صریح غلط بیانی، جھوٹ اور بہتان سے کام لیا ہے۔ اور اگر وہ اپنے آپ کو جھوٹ اور بہتان کے الزام کے بچانا چاہتے ہیں تو وہ بے سند آٹھ اقوال مع متون وحوالہ پیش کریں، جن سے الحدیث: ۴۴ میں استدلال کیا گیا ہے!

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے جو ملمع سازی اور کشیدہ کاری کی ہے، اس کا جواب انہیں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

ش ش (٦): ''قواعد حدیث کے مطابق صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند مرجوح ہوتی ہے۔'' [ص:۲۲]

الجواب: ہم نے قواعد حدیث یا اصولِ حدیث میں کہیں نہیں پڑھا کہ ''صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند مرجوح ہوتی ہے۔'' بلکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

وهو في الاحتجاج به كالصحيح عنه الجمهور . [اختصار علوم الحديث مع الباعث الحثيث، ص: ٤٦، نوع: ٣٢، دوسرا نسخه مع تعليق الالباني، ج: ١، ص: ١٢٩]

''اور جمہور کے نزدیک وہ حجت ہونے میں صحیح کی طرح (یعنی حجت) ہے۔''

یعنی حسن لذاتہ روایت (وسند) حجت ہونے کے لحاظ سے صحیح کی طرح حجت ہے۔

نیز دیکھئے اختصار علوم الحدیث (مترجم اردو،ص: ۲۷، از راقم الحروف

علامہ نووی نے لکھا ہے:

ثم الحسن كالصحيح في الاحتجاج به وإن كان دونه في القوة ولهذا أدرجته طائفة في نوع الصحيح . والله اعلم [التقريب للنووي في اصول الهديث، ص: ٤]

''پھر یہ کہ صحیح کی طرح حسن قابل حجت ہے اور اگرچہ قوت میں اس سے کم تر ہے اور اس وجہ سے ایک جماعت نے اسے صحیح کی قسم میں شامل کیا ہے۔ واللہ اعلم

درجے میں کم ہونے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح صحیح حدیث کا درجہ قرآنِ مجید سے کم ہے اور دونوں یکساں حجت ہیں، صحیح غریب کا درجہ متواتر سے کم ہے اور دونوں یکساں حجت ہیں، اسی طرح حسن حدیث کا درجہ صحیح حدیث سے کم ہے اور دونوں یکساں حجت ہیں۔

یادرہے کہ یہاں حسن سے ہماری مراد وہ حسن لذاتہ حدیث ہے جو نہ شاذ ہےاور نہ معلول بلکہ محفوظ ہے۔

اللّٰھم باعد بینی والی دعائے استفتاح صحیح لذاتہ حدیث سے ثابت ہے۔[دیکھئے صحیح بخاری:۷۴۴،صحیح مسلم:۵۹۸]

اور سبحانك اللّٰھم والی دعائے استفتاح حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ حدیث سے ثابت ہے۔[دیکھئے اصل صفة صلوة النبی ﷺ للالبانی، ج: ١، ص: ٢٥٢۔٢٥٧]

اور دونوں پر عمل کرنا بالکل صحیح ہے۔اصولِ حدیث کی بحث کے بعد عرض ہے کہ قربانی کے دنوں کے بارے میں صحابہ کرام کے آثار درج ذیل ہیں:

١: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں)اس کی سند صحیح ہے۔

٢: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں)اس کی سند حسن ہے۔

٣: انس بن مالک رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں)۔[احکام القرآن للطحاوی: ٢/ ٢٠٦، ح: ١٥٧٦]اس کی سند صحیح ہے۔

٤: علی رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں)اس کی سند حسن ہے۔

صحابہ میں سے کسی ایک صحابی سے بھی قربانی کے چار دن ثابت نہیں اور ابن قدامہ نے لکھا ہے:

ولا مخالف لهم إلا رواية عن علي .

[المغنی، ج: ٩، ص: ٣٥٩]

''اور علی سے ایک روایت کے علاوہ ان کا کوئی مخالف (صحابہ میں سے)نہیں ہے۔''

عرض ہے کہ مخالفت والی روایت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے صحیح یا حسن سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔صرف صحابی صغیر سیّدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے آخر ذوالحجہ یعنی یکم محرم سے پہلے تک قربانی کی روایت ثابت ہے۔

تابعین کے آثار درج ذیل ہیں:

١: حسن بصری رحمہ اللہ (چار دن ہیں)اس کی سند صحیح ہے۔

٢: عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ (چار دن ہیں)اس کی سند حسن ہے۔

٣: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (چار دن ہیں)اس کی سند حسن ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے امین اوکاڑوی پارٹی کی طرح یہ چالاکی کی ہے کہ سیّدنا حسن بصری رحمہ اللہ کے اثر اور سیّدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایتوں کو سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایتوں سے ٹکرا دیا ہے، حالاں کہ حسن بصری رحمہ اللہ کے قول وفعل کو صحابہ کرام کے آثار سے ٹکرانا اور مقابلہ کرا دینا اُصولاً غلط ہے۔کہاں صحابہ اور کہاں تابعین؟!

رہی سیّدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت تو عام اہل حدیث علماء کا اس کے مطابق نہ فتویٰ ہے اور نہ عمل ہے، ورنہ پھر (ابن حزم کی طرح) آخری ذوالحجہ تک قربانی کے جواز کا فتویٰ دیں اور چار دن کی تخصیص سے دست بردار ہو جائیں۔

یاد رہے کہ یہاں صحیح اور حسن کا مقابلہ ہی نہیں بلکہ آثار صحابہ (صحیح عن ابن عمرو صحیح عن انس رضی اللہ عنہما) اور آثارِ تابعین کے درمیان مقابلہ ہے۔ہمارے نزدیک آثارِ صحابہ کو آثارِ تابعین پر ترجیح حاصل ہے۔

ش ش (٧): ''موصوف سے سوال ہے کہ قواعد حدیث کے مطابق صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند مرجوح ہوتی ہے؟ تو آپ نے صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند کو کس اصول کے تحت راجح قرار دیا ہے؟......کیا آپ قواعد حدیث کے انکاری ہیں؟''[ص:٢٢]

الجواب: ہم قواعد حدیث کے انکاری نہیں لیکن آپ کو سمجھنا چاہیے کہ آپ کا مذکورہ قاعدہ قواعد حدیث یعنی اصولِ حدیث میں ہمیں سرے سے نہیں ملا، لہٰذا اپنے خود ساختہ اور من گھڑت قاعدے کا ثبوت پیش کر دیں۔

ہم نے صحیح کے مقابلے میں حسن کو نہیں بلکہ آثارِ تابعین کے مقابلے میں آثارِ صحابہ اور خصوصاً سیّدنا علی رضی اللہ عنہ (خلیفہ راشد) کے قول کو ترجیح دی ہے اور وسنة الخلفاء الراشدين کی اتباع کا بھی یہی تقاضا ہے۔

ش ش (٨): ''لیکن موصوف نے یہ بات تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے لکھی ہے۔''[ص:٢٢]

الجواب: راقم الحروف نے لکھا ہے: ''امام شافعی اور عام اہل حدیث علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ قربانی کے چار دن ہیں۔''[الحدیث:٤٤،ص:١١ بحوالہ

پہلے بھی گزر چکا ہے۔]

اوران کے برعکس جمہور صحابہ سے تین دن والا قول ثابت ہے۔لہٰذا ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ چار دن والا مسلک اہل حدیث کا متفق علیہ مسلک ہے۔

ش ش (۹): ڈاکٹر صاحب نے بغیر کسی صحیح سند کے لکھا ہے:''ایام قربانی عیدالاضحیٰ اوراس کے بعد تین دن ہیں: اس کے قائل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور.....'' [ص:۲۲]

الجواب: ڈاکٹر صاحب کی یہ بات بے سند ہونے کی وجہ سے خلافِ واقعہ اور غلط ہے۔اگران میں ہمت ہے تو قواعد حدیث کو مدنظر رکھ کر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے اپنا مذکورہ حوالہ باسند صحیح یا باسند حسن ثابت کر دیں اوراگر وہ اس میں کامیاب ہوگئے تو ہم انہیں اختصار علوم الحدیث (مترجم اردو) کے دس نسخے بطورِ تحفہ دیں گے اوراگر ناکام رہے تو پھر غلط بیانی سے اجتناب کریں۔

انہوں نے نیل الاوطار سے کچھ بے سند اقوال نقل کیے ہیں، جن کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

میری طرف سے ش ش اوران کے ساتھیوں سے مطالبہ ہے کہ وہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ یا کسی ایک صحابی سے صحیح وحسن سند کے ساتھ قربانی کے چار دنوں والا قول ثابت کر دیں اوراگر نہ کرسکیں تو جمہور صحابہ کو ترجیح دینے والوں کے خلاف پروپیگنڈا نہ کریں۔

آخر میں عرض ہے کہ درج ذیل علمائے اہل حدیث سے ثابت ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں:

۱: سیّدنا علی رضی اللہ عنہ

۲: سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

۳: سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

۴: سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

۵: امام مالک رحمہ اللہ۔[دیکھئے الموطا بتحقیق الهلالی: ۹۹/۳ روایة ابن زیاد]

۶: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ۔[مسائل احمد واسحاق، روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج:۲/۳۶۷ فقرہ:۲۸۳۶]

۷: امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ۔[ایضاً ص:۳۶۷]

نیز عرض ہے کہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

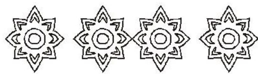
قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (یعنی پہلے) دن ہے۔[احکام القرآن للطحاوی: ۲/ ۲۰۵، ح: ۱۵۷۱ وسندہ حسن لذاتہ]

قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ ایامِ قربانی کے بارے میں راقم الحروف کے دو مضمون درج ذیل ہیں:

۱: قربانی کے تین دن ہیں۔[ایک سوال کا جواب، دیکھئے الحدیث:۴۴ اور توضیح الاحکام:۲/۱۷۵۔۱۸۱]

۲: قربانی کے چار یا تین دن؟[مقالات، ج:۳،ص:۲۶۱۔۲۶۳]

ان مضامین کا مطالعہ کریں تو حافظ الیاس اثری صاحب اورڈاکٹر محمد شریف شاکر صاحب وغیرہما کے شبہات واعتراضات کا کمزور اور بے بنیاد ہونا خود بخود واضح ہو جائے گا۔ان شاءاللہ



ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری کی

دارالدعوة السلفيه آمد

ملک کے مایہ ناز مؤلف، مرتب اور مصنف محترم ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری (کراچی) ۱۱ر اکتوبر ۲۰۱۰ء بروز پیر دارالدعوۃ السّلفیہ شیش محل روڈ لاہور میں تشریف لائے۔

آپ کے اعزاز میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا۔

جس کی تفصیل آئندہ شمارے میں آئے گی۔

اِنْ شَآءَ اللّٰہ

[ادارہ]

یادِ رفتگاں

مولانا عبدالرحمٰن عزیز الہٰ آبادی رحمہ اللہ

محمد رمضان یوسف سلفی، فیصل آباد

مولانا عبدالرحمٰن عزیز الہٰ آبادی رحمہ اللہ سادی وضع کے بلند پایہ عالم دین تھے۔ وہ با صلاحیت محقق، مصنف، مدرس، خطیب اور پنجابی کے شاعر بھی تھے۔ انہوں نے توحید وسنت کی اشاعت اور غیر شرعی رسوم عوائد کی نکیر کے لیے درس وتدریس، وعظ وتبلیغ اور تحریر وتصنیف کے ذریعے قابل قدر دینی خدمات سرانجام دیں۔

دینی تعلیم کا فروغ اور اصلاح معاشرہ ان کا زندگی بھر مشن رہا اور انہوں نے اپنے دائرہ کار میں رہ کر اس میں خاصا کام کیا۔ ان کے نام اور تحریری وتصنیفی سرگرمیوں سے تو میں برسوں سے آگاہ تھا۔ اٹھارہ جولائی ۲۰۰۷ء کو وہ فیصل آباد میں حکیم خالد صاحب سے ملنے تشریف لائے۔ اس موقع پر انہوں نے راقم کو بھی شرفِ ملاقات بخشا۔ پورا قد، گندمی رنگ، بھرا ہوا چہرہ، پوری داڑھی، قمیص اور تہبند زیب تن، مناسب ڈیل ڈول، پاؤں میں نائیلون کی چپل، سر سے پاؤں تک سادگی کا پیکر۔ ان سے یہ مختصر سی ملاقات تھی، ان کی سماعت ختم ہو چکی تھی اس لیے بعض باتیں اشاروں اور کاغذ پر لکھ کر کی گئیں۔

دوسری بار وہ راقم سے ملنے ۲ مارچ ۲۰۰۸ء کو رحمانیہ دارالکتب تشریف لائے اور اپنی معلومات گفتگو سے محظوظ کیا۔ اس موقع پر وہ اپنی کتاب ''مومن کی زندگی کے آخری مراحل'' کا مسودہ لائے تھے، اس پر انہوں نے تقریظ لکھنے کا حکم فرمایا جس کی تعمیل کرتے ہوئے راقم نے چند روز بعد ان کو ''حرفے چند'' لکھ کر بھیج دیا۔ جسے انہوں نے اپنی کتاب میں شامل کر دیا تھا۔ ۲ مارچ کی اس ملاقات میں انہوں نے اپنی بعض تصنیفات اور رسائل اپنے دستخطوں سے عنایت فرمائے اور راقم نے بھی اپنی کتاب ''چار اللہ کے ولی'' ان کی خدمت میں پیش کی۔ جاتے ہوئے انہوں نے ڈھیروں دعائیں دیں۔

اس ملاقات کے بعد ان سے خط وکتابت کے ذریعے مسلسل رابطہ رہا۔ عام طور سے وہ خطوط میں اپنی تصنیفی مصروفیات اور بیماری کے بارے لکھا کرتے تھے۔ ان کا خط بہت اچھا تھا، بڑا صاف لکھتے تھے۔ ایک بار انہوں نے خط کے آخر میں شعر لکھا۔

مٹ جائے گا اس دنیا سے میری ہستی کا نشان
زندہ رہے گی یادگار، میری اس تحریر سے

مولانا عبدالرحمٰن عزیز یکم جنوری ۱۹۴۲ء کو ضلع فیروز پور (بھارت) کے گاؤں ''کوہر سنگھ والا'' میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خوشی محمد (وفات ۱۸ ستمبر ۲۰۰۶ء) تھا اور وہ اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ قیام پاکستان کے موقع پر مولانا عبدالرحمٰن کے والدین ضلع فیروز پور سے نقل مکانی کر کے ضلع قصور کے نواح میں آ کر آباد ہوئے۔ مولانا عبدالرحمٰن عزیز نے جب پرائمری تک سلوک کی تعلیم حاصل کر لی تو ان کی دینی تعلیم کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے آپ جماعت اہل حدیث کی عظیم المرتبت علمی وروحانی شخصیت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور ان کے قائم کردہ جامعہ دارالحدیث کمالیہ منڈی راجووال (ضلع اوکاڑا) میں زیر تعلیم رہ کر درس نظامی کی کتب پڑھیں۔

اس کے بعد وہ جامعہ محمدیہ اوکاڑا پہنچے اور وہاں سے انتہائی درجے کی کتب پڑھ کر ۱۹۶۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔ ان کے معروف اساتذہ کرام یہ ہیں:

شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف راجووالوی، مولانا اسداللہ بھانبھڑی، شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد عبدہ الفلاح، شیخ الحدیث حافظ محمد عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا ہدایت اللہ ندوی، مولانا محمد جمعہ خان، مولانا عبداللہ امجد چھتوی، مولانا عبدالعزیز (جھوک دادو) اور حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی۔ ان کبار علماء کے علاوہ انہوں نے حضرت مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ سے تفسیر قرآن کے علوم ومعارف میں استفادہ کیا۔

تحصیل علم کے بعد مولانا عزیز نے درس وتدریس کو اپنی دینی

سرگرمیوں کا محور بنایا۔ میاں محمد یوسف سجاد صاحب ان کی دینی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ آپ ۱۹۶۳ء میں جامعہ محمدیہ اوکاڑا سے فارغ ہوئے اور مدرسہ دارالقرآن والحدیث نصیر پور میں بطور مدرس کام کرنے لگے۔ ۱۹۷۰ء میں مدرسہ شمس الحدیث بورے والا میں نائب مدرس رہے۔ ۱۹۸۰ء میں مدرسہ تفہیم القرآن والحدیث چوک منڈا میں خطیب و مدرس کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۹۷۶ء تا ۱۹۸۱ء میں تبلیغی ادارہ امر بالمعروف چوک منڈا کی نظامت وسرپرستی فرمائی۔ جس کے ذریعے سے اس علاقہ میں جماعت اہل حدیث کا تعارف ہوا۔

مولانا نے جون ۱۹۸۱ء کے اوائل میں مدرسہ عربیہ الجامعۃ الاسلامیہ چوک اہل حدیث رجسٹرڈ میرپور بھاگل مظفرگڑھ کا سنگ بنیاد رکھا جو بحمدللہ آپ کی زیرسرپرستی بطریق احسن دینی خدمات میں رواں دواں ہے۔[تذکرہ علمائے اہل حدیث، جلد سوئم، ص:۵۸]

میرپور بھاگل میں دینی خدمات سرانجام دینے کے بعد مولانا عبدالرحمٰن عزیز صاحب پتوکی کے معروف گاؤں حسین خانوالہ نمبر ۸ میں آ گئے تھے اور اس قصبے کی مسجد اہل حدیث میں امامت وخطابت اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ کئی سال تک وہ اپنی ان مفوضہ ذمہ داریوں کی بجا آوری میں مصروف رہے۔ پھر جب ان کی صحت خراب ہوگئی اور وہ مسلسل مختلف عوارض میں مبتلا رہنے لگے تو انہوں نے ان امور سے علیحدگی اختیار کر لی تھی البتہ تصنیف وتراجم میں مصروف رہے۔

مولانا عبدالرحمٰن عزیز اچھے قلم کار تھے ان کا علمی ذوق بھی اچھا تھا، حدیث اور تحقیقی مسائل میں ان کو بے پناہ دلچسپی تھی اور وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے اس کا حق ادا کر دیتے۔ ان کے علمی وتحقیقی مضامین نصف صدی تک مؤقر علمی رسائل، مسلمان سوہدرہ، صحیفہ اہل حدیث کراچی، الاعتصام لاہور، اہل حدیث لاہور، تنظیم اہل حدیث لاہور، ماہنامہ محدث لاہور اور الاسلام لاہور میں اشاعت پذیر ہوتے رہے۔ ان کے قلم کی زبان شستہ اور سادہ تھی، حوالہ جات بڑی ذمہ داری سے لکھتے اور کوشش کرتے کہ اپنی تحریروں میں صحیح احادیث کو درج کرنے کا التزام کریں۔ انہوں نے تحریر ونگارش کی تربیت مولانا ہدایت اللہ ندوی مرحوم آف میاں چنوں سے حاصل کی تھی۔

مولانا عزیز نے مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی کئی کتابیں مرتب کیں اور بعض عربی رسائل کو اردو کے قالب میں ڈھالا۔ ان کی تصنیف وتراجم کی تفصیل یہ ہے۔ اصحابِ ثلاثہ کے مقام پر شیعہ سنی اتحاد، القول المختار فی الصلوۃ والسلام علی سیّد الابرار، رمضان المبارک کے روزے کتاب وسنت کی روشنی میں، تنویر العینین فی تکریم الوالدین، حقیقۃ الوسیلۃ کتاب وسنت اور اقوال سلف کی روشنی میں، وضو کے فیوض وبرکات، پیارے رسول ﷺ کی پیاری وصیتیں (اردو ترجمہ)، امام کائنات کی حیات طیبہ ماہ وسال کے آئینے میں، مومن کی زندگی کے آخری مراحل، تحفہ المعراج کی اہمیت، زبان عقل اور دل کی ترجمان ہے، قرآنی معلومات میں یہ افراط وتفریط کیوں؟ شاہ اربل کا تحفہ، نماز نور ہے، واقعہ کربلا میں افراط وتفریط کا جائزہ، واقعہ معراج النبی ﷺ میں افراط وتفریط کا جائزہ، مقلدین کے دار عنکبوت کی حقیقت بجواب غیر مقلدین کے سفید جھوٹ کی حقیقت، ضیاء المصابیح بجواب مسئلہ تعداد تراویح، القول الجمیل فی ردّ الطلاق الثلاث والتحلیل ایک فتویٰ پر تعاقب، القول السدید فی الاجتہاد والتقلید اور سالار فوج مغفور ہم کون تھا؟

مولانا عبدالرحمٰن عزیز اچھے شاعر بھی تھے۔ پنجابی زبان میں انہوں نے کئی نظمیں لکھی ہیں اور ان کا کلام قصوں کی شکل میں شائع بھی ہوا ہے۔ ان کے پنجابی کلام پر مشتمل کتابچے یہ ہیں۔

داستانِ امت، دیسی پستول، تردید حُقہ، عقیدت دے پُھل اور مذہب عجیب واہ بھئی واہ۔ مولانا عبدالرحمٰن عزیز کئی سال سے گردوں کی سوزش اور بعض دیگر عوارض میں مبتلا تھے۔ انہوں نے ۶۸ سال کی عمر میں ۲ ستمبر ۲۰۱۰ء کو حسین خانوالہ میں وفات پائی۔ ہجری اعتبار سے یہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ جمعرات کا دن تھا۔ اسی روز رات کو نماز تراویح کے بعد مولانا محمد ابراہیم خلیل فیروزپوری (حجرہ شاہ مقیم) کی امامت میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اس میں قرب وجوار سے سینکڑوں علماء اور عوام شریک ہوئے اور حسین خانوالہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ ہماری معلومات کے مطابق مولانا عبدالرحمٰن عزیز ایک نیک انسان اور جید عالم دین تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بشری خطاؤں سے درگزر فرما کر انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، آمین!

احکام و مسائل

کیا جہاد کے لیے والدین کی اجازت ضروری نہیں؟

ابوصہیب محمد داؤد ارشد (کوٹلی ورکاں نزد نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ)

جہاد کے وجوب کے لیے ائمہ متقدمین نے جن شرائط کا ذکر کیا ہے ان میں نصوص صریحہ کی رو سے والدین کی اجازت ہی نہیں ان کی رضا مندی بھی واجب ہے۔ ہمارے ہاں جب سے جہاد میں عملاً حصہ لینے کا عمل شروع ہوا ہے تب سے عموماً نصوص پر جذبات غالب آ جاتے یا کر دیئے جاتے ہیں۔ ذیل کے مضمون میں فاضل مقالہ نگار نے خالص علمی انداز سے دلائل کا صراحتاً ذکر کیا ہے۔ امید ہے کہ یہ مضمون مسلمانوں کے لیے راہ نما ثابت ہوگا۔ خصوصاً میت کے گھر والوں کو مبارک دینا یا ان کے ہاں سے خوش آمدید کی توقعات وابستہ کرنے کی صحابہ و تابعین کے دور کی کوئی دلیل یا مثال کم از کم ہمارے علم میں نہیں۔ (ادارہ)

اگلے روز ہمارے ہاں ایک شہید کی نماز جنازہ پڑھائی گئی ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اس پر کسی دوسری مجلس میں معروضات پیش کریں گے۔ کیوں کہ اس کی حیثیت دینی کی بجائے زیادہ وقتی ہے جسے سیاست بھی کہا جا سکتا ہے، اور سیاست سے ہمیں چنداں دلچسپی نہیں ہے، آج ہم صرف عنوان مذکورہ کے موضوع پر گفتگو کا ارادہ رکھتے ہیں، یقین جانئے ہم دھڑے بندی سے الگ ہو کر بغض و تعصب کے بغیر خالص اللہ کی رضا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اس مضمون کو لکھ رہے ہیں، درد دل سے اپنے بھائیوں کو نصیحت کر رہے ہیں ''شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات''

جس شہید کی نماز جنازہ پڑھائی گئی ان کے والد محترم جوانی کی حدود پھلانگ کر بڑھاپے میں قدم رکھ چکے ہیں۔ ریش مبارک میں چاندی اتر چکی ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ میرے بیٹے نے مجھ سے اجازت نہیں لی۔ انہوں نے آہ بھرتے ہوئے کہا، ''میں نے جماعت کے ذمہ داروں کے در دولت پر بار ہا حاضری دی کہ بیٹے سے میری ملاقات کرا دیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو فون پر ہی بات کروا دیں۔ مگر انہوں نے میری ایک نہ سنی۔ کل آنا، اگلے روز آنا، دوسرے دن آنا تا آنکہ تھیلے کے ذریعے سے شہادت کی خبر آ گئی کہ ۱۸/اکتوبر ۲۰۱۰ء کو اتنے کافروں کو جہنم رسید کرتے ہوئے اس نے شہادت کو گلے لگا لیا ہے۔ لہٰذا اس کی نماز جنازہ ۹ نومبر ۲۰۱۰ء کو دوپہر دو بجے گورنمنٹ کالج نارنگ منڈی میں پڑھائی جائے گی۔''

ہم نے خبر کی تصدیق کے لیے مرحوم کے والدین اور بہن بھائیوں کے نام آخری وصیت کا بھی مطالعہ کیا کہ شاید باپ غم سے نڈھال ہونے کی وجہ سے یہ باتیں کر رہا ہو مگر ہماری حیرت کی اس وقت انتہا نہ رہی جب مرحوم کی طرف منسوب وصیت نامہ میں بھی صراحت تھی کہ میں نے آتی دفعہ آپ سے ملاقات نہیں کی اور نہ ہی اجازت لی۔ مرحوم کی وصیت کی یہ سطر پڑھنا تھا کہ دماغ چکرا گیا اور ہم خیالات کی دنیا میں کھو گئے۔ ہم تو طائفہ منصورہ ہیں، ہم تو ساری زندگی لوگوں کو یہ بتاتے رہے کہ دین عبارت ہے اتباع رسول سے، طبیعت کچھ سنبھلی تو زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون کے الفاظ تھے اور آنکھوں میں آنسو۔

زخموں پر نمک:

میں انہیں خیالات سے ابھی مکمل باہر نہ آیا تھا کہ غور کیا تو ہر آنے والا سلام کے بعد تعزیت کی بجائے ''مبارک ہو'' کے الفاظ کہتا۔ آہ! ''یہ امت خرافات میں کھو گئی۔'' شاید مبارک دینے والے اس بات کو سمجھ نہ رہے تھے کہ شہید مرحوم کے باپ کے سینے میں ایک شفیق باپ کا دل بھی

ہے اور وہ بھی اولاد سے اسی طرح پیار و محبت کرتا ہے جس طرح ہم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾

''خوب سمجھ لو کہ تمہارے مال اور اولاد بہت بڑی آزمائش ہیں۔'' [الانفال: ۲۸]

﴿ اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ [الکھف: ٤٦]

''مال و اولاد حیاتِ دنیا کی خوب صورتی ہیں۔''

قارئین کرام! غور کریں جس سے اس کی خوب صورت چیز واپس لے لی گئی ہو، اس کی زینت ختم ہو چکی ہو اور وہ آزمائش میں مبتلا ہو اسے کس بات کی مبارک دی جا رہی ہے۔ محترم جب کوئی فوت ہو خواہ اسے شہادت کی موت ہی نصیب ہو، ورثاء کا مغموم ہونا قدرتی بات اور بشری تقاضا ہے۔

سیّدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لما قتل ابی جعلت ابکی واکشف الثوب عن وجهه فجعل اصحاب النبی ﷺ ینهونی والنبی ﷺ لم ینه. [بخاری، رقم: ٤٠٧٦]

''جب میرے والد عبداللہ شہید کر دیئے گئے تو میں نے رونے لگا، اور بار بار ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیتا، صحابہ مجھے روکتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں روکا۔''

خود نبی ﷺ کے سامنے جب سیّد الشہداء سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل آیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

((فهل تستطيع ان تغلب وجهك عنی.))

[بخاری، رقم: ٤٠٧٢]

''کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ اپنی صورت مجھے کبھی نہ دکھاؤ۔''

ان احادیث سے ثابت ہوا شہادت سے بھی ورثاء کو بہرحال غم ہی ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام کو جب اپنے چچا زاد بھائی سیّدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ [ابوداؤد] اور آپ کے رخ انور پر غم کے آثار تھے۔ [بخاری، رقم: ١٢٩٩]

جب بئر معونہ کا واقعہ پیش آیا تو سیّدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے ان دنوں سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی غمگین نہیں دیکھا۔

[بخاری، باب مذکور، رقم: ١٣٠٠]

نبی علیہ السلام کو جب سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ رو دیئے اور جب میت کی حالت دیکھی تو دل بیٹھ گیا۔

[مسند بزار، ج: ٢، ص: ٣٢٦، رقم: ١٧٩٤ کشف]

گو اس کی سند میں کلام ہے مگر ہمارے مدعا کے لیے فقط بخاری کی احادیث ہی کافی ہیں۔ اس کی تفصیل سے ثابت ہوا کہ خبر شہادت پر عزیز و اقارب سے تعزیت کرنا چاہیے انہیں مبارک باد دینا قطعی طور پر غلط ہے اور اس سے ورثاء کی تکلیف میں اضافہ ہوتا ہے۔

والدین کی خدمت جہاد سے اہم ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب الادب میں ایک باب باب لا یجاھد الا باذن الا ابوین ''والدین کی اجازت کے بغیر جہاد نہ کیا جائے'' منعقد کیا ہے۔ پھر اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں کہ

عن عبد الله بن عمرو قال قال رجل للنبی ﷺ أ اجاهد؟ قال، لك ابوان؟ قال نعم، قال ففيها فجاهد. [صحیح بخاری، رقم: ٥٩٧٢]

''سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کیا میں جہاد کروں؟ آپ نے کہا: کیا تیرے والدین (زندہ) ہیں؟ اس نے کہا، ہاں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ پھر انہیں میں جہاد کر (یعنی ان کی خدمت کرو۔)''

امام بخاری اسے کتاب الجھاد باب الجھاد باذن الابوین کے تحت بھی لائے ہیں۔ جس کے الفاظ قدر مفصل ہیں۔

عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما يقول جاء رجل الى النبی ﷺ يستاذنه فی الجهاد، فقال احی والداك؟ قال، نعم، قال ففيهما فجاهد. [بخاری، رقم: ٣٠٠٤]

''سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا جو جہاد کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ تو آپ نے اس سے پوچھا کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا، ہاں۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: انہیں میں جہاد کر۔''

جب سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ''نماز کو وقت پر ادا کرنا''، انہوں نے کہا، ثـم ای؟ پھر کون سا افضل ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: بـر الوالدین ''والدین کے ساتھ حسن سلوک'' صحابی کہتے ہیں کہ میں نے پھر پوچھا، ثم ای؟ پھر کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا: الـجهـاد فی سبیل الله ''اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔'' [بخاری، رقم: ۵۲۷، ۲۷۸۲، ۷۵۳٤۔ مسلم، رقم: ۲۵۲]

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حسب موقع جواب دیا ہے، لیکن اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہوا کہ بعض صورتوں میں والدین کی خدمت کرنا جہاد سے افضل ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہاں مطلق جہاد مراد ہے جو فرض عین نہیں۔ کیوں کہ یہ تو والدین کی اجازت کے ساتھ ہے۔ لہٰذا والدین کی خدمت کرنا جہاد پر مقدم ہے۔

[فتح الباری، ج:۶، ص:۱۴۰ تحت حدیث: ۵۹۷۲ طبع دارالسلام]

اس بات کو سبھی جانتے اور مانتے ہیں کہ پاکستان میں جہاد فرض عین نہیں ہے زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ ہے۔ لہٰذا پاکستانی بچوں کے لیے جہاد میں شریک ہونے کی بجائے والدین کی خدمت کرنا افضل ہے۔ بلکہ جہاد فرض عین کی صورت میں بھی گھر میں اگر کوئی اور اولاد نہ ہو، والدین بوڑھے یا بیمار ہوں تو امیر جہاد کو ان کی عیادت اور دیکھ بھال کے لیے اولاد کو جہاد پر جانے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ یہی اسوۂ رسول اکرم ﷺ ہے، غزوۂ بدر کے موقع پر رسولِ اکرم ﷺ کی لخت جگر اور سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں تو رسولِ اکرم ﷺ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری کے لیے مدینے میں چھوڑ گئے تھے۔ [بخاری، رقم: ۳٦۹۹]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ منکوحہ کی بیماری جہاد سے پیچھے رہ جانے کے لیے عذر شرعی ہے تو والدین بیوی سے بہر حال اولیٰ ہیں۔ کیوں کہ بیوی کو تو انسان والدین کے حکم پر طلاق دینے کا مکلّف ہے۔ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی سے محبت تھی جب کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے ناپسند کرتے تھے انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اسے طلاق دے دے۔ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا جب معاملہ رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش ہوا تو آپ نے فرمایا: طلقها، اسے طلاق دے دے۔

[ابوداؤد: ۵۱۳۸۔ ترمذی: ۱۱۸۹۔ ابن ماجہ: ۲۰۸۸]

واضح احادیث:

عـن ابـی سـعیـد الـخدری رضی الله عنه ان رجـلا هـاجـر الـی رسـول الله ﷺ من الیمن فقال، هل لك احد بالیمن؟ قال البوای فقال، اذنـالك؟ قـال، لا، قـال ارجـع الیهـمـا فاستاذنهما فان اذنالك فجاهد والا فبرهما.

''سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یمن سے ایک شخص ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس سے آپ علیہ السلام نے کہا کیا یمن میں کوئی (رشتہ دار) ہے؟ اس نے عرض کیا والدین ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: انہوں نے تم کو اجازت دی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا تم ان ہی کے پاس جاؤ اور ان سے اجازت طلب کرو، اگر وہ تم کو اجازت دیں تو جہاد کرو ورنہ تم انہیں کے ساتھ نیکی کرو۔''

سـنـن سـعیـد بـن مـنـصـور: ۲۳۳٤، ابـوداؤد: ۲۵۳۰، حـاکـم: ۲/ ۱۰۳، ابونعیم (حـلیة الاولیـاء: ۸/ ۳۲۸)، بیهـقـی (السـنن الکبریٰ: ۹/ ۲٦)، ابن

حبان (صحیح: ٤٢٢) نے ثنا دراج عن ابی الھیثم عن ابی سعید کے طریق سے روایت کیا ہے۔ابن حبان وحاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔جب کہ حافظ ذہبی نے اس کا ردّ کیا ہے اور کہا ہے کہ درّاج نہایت ضعیف ہے۔علامہ البانی فرماتے ہیں کہ حافظ ذہبی کی یہ بات درست ہے۔لیکن حدیث مجموعہ طرق کے ساتھ صحیح ہے۔

[ارواء الغلیل: ٥/٢١]

عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال جاء رجل الی رسول اللّٰہ ﷺ فقال جئت ابا یعك علی الھجرۃ وترك ابوی یبکیان قال ارجع فاضحکھما کما ابکیتھما .

''سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں ہجرت کی بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں اور میں والدین کی روتا ہوا چھوڑ کے آیا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان کی خدمت میں جاؤ اور ان کو ہنساؤ کہ جس طرح تم نے ان کو رلایا۔''

ابوداؤد (٢٥٢٨)، نسائی (انس الکبریٰ: ٤/ ٢١٣ (٨٦٩٦)، مستدرك للحاکم (٤/ ١٥٢)، حاکم نے اسے عن سفیان ثنا عطاء بن السائب عن ابیہ عن عبداللہ بن عمرو کے طریق سے روایت کیا ہے۔امام حاکم فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔علامہ البانی فرماتے ہیں جس طرح ان دونوں نے کہا ہے وہ اسی طرح ہی ہے۔سفیان سے مراد ثوری ہیں اور انہوں نے عطاء بن سائب سے اختلاط سے قبل سنا ہے۔

[ارواء الغلیل: ٥/٢١]

عن معاویۃ بن جاھمۃ السلمی ان جاھمۃ جاء الی النبی ﷺ فقال یا رسول الله اردت ان اغزو وقد استشیرك فقال ھل لك من ام قال نعم قال فالذمھا فان الجنۃ تحت رجلھا .

''سیّدنا معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاہمہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کہا میں چاہتا ہوں کہ جہاد کروں اور آیا ہوں کہ آپ علیہ السلام سے مشورہ کروں۔آپ نے فرمایا: کیا تیری ماں زندہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو اسی کے ساتھ رہا کر کہ جنت اس کے پاؤں کے نیچے ہے۔''

سنن نسائی (٣١٠٤)، مستدرك حاکم (٢/ ١٠٤، ٤/ ١٥١)، مسند احمد (٣/ ٤٢٩) امام احمد نے اسے عن ابن جریج قال اخبرنی محمد بن طلحۃ وھو ابن عبد اللّٰہ بن عبدالرحمن عن ابیہ طلحۃ عن معاویۃ بن جاھمۃ کے طریق سے روایت کیا ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، انہوں نے اسی طرح کہا ہے، اور طلحہ بن عبداللہ کی کسی نے ابن حبان کے علاوہ توثیق نہیں کی۔لیکن ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔لہٰذا وہ حسن الحدیث ہیں اور تقریب میں (حافظ ابن حجر نے) کہا ہے مقبول ہے، اور اس کی محمد بن اسحاق بن طلحہ نے متابعت کی ہے جسے ابن ماجہ (٢٧٨١) نے روایت کیا ہے۔

[ارواء الغلیل: ٥/٢١]

خاکسار عرض کرتا ہے کہ علامہ البانی کو یہاں وہم ہوا ہے۔کیوں کہ ابن ماجہ کی سند میں محمد بن اسحاق بن طلحہ نہیں بلکہ محمد بن اسحاق بن یسار ہیں۔

حدثنا ابویوسف محمد بن احمد الرقی حدثنا محمد بن سلمۃ الحرانی عن محمد بن اسحاق عن محمد بن طلحہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق عن معاویۃ بن جاھمۃ .

ہم کتب رجال کی مراجعت اور استاد وشاگرد کی تعین کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ محمد بن اسحاق سے مراد قطعی طور پر ابن اسحاق امام مغازی مراد ہیں۔جب کہ محمد بن اسحاق بن طلحہ نام کا کوئی راوی سرے سے ہے ہی نہیں۔تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر اور تہذیب الکمال

میں امام مزی نے اس نام کا کوئی راوی بیان نہیں کیا۔ اگر ابن طلحہ ہوتے تو یقیناً ان دونوں کتابوں میں ضرور ہوتے۔ کیوں کہ یہ کتابیں خالص کتب ستہ کے رجال پر ہیں۔ بہر حال یہ علامہ البانی کا وہم ہے یا پھر کتابت کی غلطی ہے۔ ممکن اور بالکل ممکن ہے کہ صحیح عبارت اس طرح ہو:

وتابعه محمد بن اسحاق عن محمد بن طلحة به .

اس تفصیل کے بعد ابن ماجہ کی روایت کا متن ملاحظہ کیجیے:

عن معاوية بن جاهمة السلمي قال اتيت رسول الله ﷺ فقلت يا رسول الله اني كنت اردت الجهاد معك ابتغي بذلك وجه الله والدار الاخرة قال ويحك احية امك قلت نعم قال ارجع فبرها ثم اتيته من الجانب الاخر فقلت يا رسول الله اني كنت اردت الجهاد معك ابتغي بذلك وجه الله والدار الاخرة قال ويحك احية امك قلت نعم يا رسول الله قال ارجع اليها فبرها ثم اتيته من امامه فقلت يا رسول الله اني كنت اردت الجهاد معك ابتغي بذلك وجه الله والدار الاخرة قال ويحك احية امك قلت نعم يا رسول الله قال ويحك الزم رجلها فثم الجنة .

''سیّدنا معاویہ بن جاہمہ سلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا، اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کے ساتھ مل کر جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی بہتری کے لیے۔ آپ نے فرمایا: افسوس تیری ماں زندہ ہے، میں نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لوٹ جا اور اپنی ماں کی خدمت کر، پھر میں دوسری طرف سے آیا اور عرض کیا میں آپ کے ساتھ مل کر جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی بہتری کے لیے آپ علیہ السلام نے فرمایا: افسوس تجھ پر کیا تیری ماں زندہ ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہے۔ آپ نے فرمایا: لوٹ جا اور اپنی ماں کی خدمت کر۔ پھر میں تیسری بار سامنے سے آ کر گزارش کی کہ میں آپ سے مل کر اللہ کی رضا اور آخرت کی بہتری کے لیے جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے کیا تیری ماں زندہ ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہے۔ آپ نے فرمایا: افسوس! اس کے پاؤں پکڑے رہو وہیں جنت ہے۔'' [سنن ابن ماجه، كتاب الجهاد، باب الرجل يغزو وله ابوان، رقم: ۲۷۸۱]

یہ شواہد کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے، اس مکمل بحث کا نتیجہ حسب ذیل ہے:

۱: شہید کے ورثاء کو مبارک باد کی بجائے ان سے اظہار ہمدردی اور تعزیت کرنا چاہیے۔

۲: بعض صورتوں میں والدین کی خدمت جہاد سے اولیٰ ہے۔

۳: جہاد پر جانے کے لیے والدین کی اجازت ضروری ہے۔

سوال: کوئی بھی اپنے بچوں کو جہاد پر بھیجنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تو جہاد جاری کیسے رہے گا؟

جواب: اوّلاً، وہی جہاد پر راضی راضی اور خوشی خوشی بھیجنے کے لیے تیار ہیں جو خبر شہادت پر قاصد کو دودھ پلاتے ہیں۔

ثانیاً، والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کرنے کا موقف رکھنے والا کیا فقط نوجوانوں کا ہی گروپ ہے یا ان میں ایسے افراد بھی شامل ہیں جو صاحب اولاد ہیں۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو آپ کا سوال فضول ہے۔

ثالثاً، اس کی کیا دلیل ہے کہ دین کے بعض احکام کو جاری رکھنے کے لیے دوسرے احکام کو بدل دیا جائے، یعنی کیا کسی نیکی کے کام کے لیے اللہ ورسول کی نافرمانی جائز ہے۔

والدین سے اجازت نہ لینے کے بارے میں:

تکمیل مضمون کے لیے ضروری ہے ہم اپنے بھائیوں کی دلیل کو نقل

کر کے اس کا جواب بھی دے دیں۔

''سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے افضل اعمال کے متعلق سوال کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز، اس نے پھر پوچھا، آپ نے کہا: نماز، اس نے پھر پوچھا، آپ نے فرمایا: نماز، اس نے تین بار یہ سوال کیا جب آپ ﷺ اس کے سوال سے مغلوب ہو گئے تو فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ اس نے عرض کیا کہ میرے تو والدین بھی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تجھے ان کے ساتھ بھلائی کا حکم دیتا ہوں، اس نے کہا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں ضرور جہاد میں شرکت کروں گا، اور انہیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ زیادہ جاننے والے ہو۔''

اسے ابن حبان (صحیح: ۱۷۱۹)، ۲۵۸ موارد)، اور امام احمد نے (المسند:۱۷۲/۲) میں حدثنی حی بن عبدالله ان ابا عبدالرحمن حدثه ان عبد الله بن عمرو ، کے طریق سے روایت کیا ہے۔

سند کا راوی حی بن عبداللہ متکلم فیہ ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث مناکیر ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس میں نظر ہے۔ (تہذیب) حافظ ابن حجر نے صدوق یہم کہا ہے۔ (تقریب) یہ درمیانے درجے کے راوی کے متعلق بولا جاتا ہے جو فی نفسہٖ تو سچا ہو غلط بیانی نہ کرتا ہو، مگر کمزور حافظے کی وجہ سے اس سے غلطیاں ہوتی ہوں۔ بعض ایسے راویوں کی مرویات کو حسن قرار دیتے ہیں۔ زیر بحث روایت کو بیان کرنے میں حی بن عبداللہ سے خطائیں ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ دو احادیث کو انہوں نے ایک بنا دیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جس میں افضل عمل کے متعلق سوال تھا جو پہلے درج ہو چکی ہے۔ دوسری عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث جو جہاد کے متعلق تھی ان دونوں کو گڈ مڈ کر دیا ہے، اور بعض الفاظ کو کما حقہ یاد بھی نہیں رکھا۔ الغرض یہ روایت سنداً ضعیف اور متناً منکر ہے، علامہ البانی نے اس پر تفصیل سے لکھا ہے، اور اسے منکر قرار دیا ہے۔[الضعیفه : ۵۸۱۹]

اور یہی حق وصواب ہے۔

ہم اپنے بھائیوں سے نہایت مؤدبانہ گزارش کرتے ہیں کہ ایسی ضعیف روایات کے بل بوتے پر معروف وصحیح وحسن احادیث کو ردّ کرنا ہمارے اکابر کی روش کے سراسر خلاف ہے، اگر ضعیف روایت بھی آپ کے نزدیک حجت ہے، تو ایک ضعیف ہم سے بھی سن لیں:

عـن عبـد الـلّٰه بن عمر عن النبی ﷺ قال ، اذا كـان الـعدو عند باب البيت فلا تذهب اليه الا باذن ابويك . [المعجم الصغير للطبرانی : ۱/ ۱۰٤]

''جب دشمن گھر کے دروازے کے پاس پہنچ جائے تو پھر بھی اپنے والدین کی اجازت کے بغیر اس کی طرف (لڑنے کے لیے) نہ جا۔''

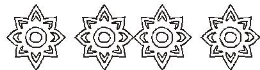
حافظ ہیثمی فرماتے ہیں کہ طبرانی کے شیخ اسامہ کے علاوہ تمام راوی صحیح کے ہیں اور اسامہ ثقہ وثبت ہے۔[مجمع الزوائد:۳۲۲/۵]

خاکسار عرض کرتا ہے سند میں راوی احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب ہے جس کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا۔[تقریب]

انہوں نے یہ روایت اختلاط میں بیان کی تھی، جس سے انہوں نے بعد میں رجوع کر لیا تھا۔ تہذیب التہذیب میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

ہم نے فریقین کے دلائل کو محاکمہ سمیت نقل کر دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جہاد پر جانے کے لیے والدین کی اجازت ضروری ہے، اسے غیر ضروری قرار دینا جہاں اللہ ورسول کی نافرمانی ہے وہاں والدین کی حق تلفی اور ان سے زیادتی بھی ہے۔

اللہ ہم سب کی خطائیں معاف فرمائے اور اپنی رضا کے مطابق نیک اعمال کی توفیق عنایت فرمائے۔



نقطۂ نظر

عیسائیوں کو دعوتِ فکر

عطا محمد جنجوعہ

عیسائی مذہب دو اصولوں پر قائم ہے: (۱) تثلیث۔ (۲) کفارہ
عقیدہ تثلیث کا مطلب ہے کہ اس دنیا کے تین الٰہ ہیں:
(۱) آسمان والا۔ (۲) روح یعنی جبریل۔ (۳) حضرت عیسیٰ
اور کفارہ کے عقیدہ کا مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر جان دے کر حضرت آدم وحوا کے اس گناہ کا بنی آدم سے کفارہ ادا کر دیا ہے جن کا انہوں نے اپنے ربّ کی بات نہ مان کر ارتکاب کیا تھا یعنی عیسائی اب جو چاہیں کریں اللہ کے ہاں اُن کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کیوں کہ اُن کے ہر گناہ کا کفارہ ادا ہو چکا ہے۔

غور طلب پہلو:

عیسائی قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور اس کا بیٹا مانتے ہیں پھر اُسی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ اللہ نے صلیب پر جان دے کر بنی آدم سے کفارہ ادا کر دیا۔ حالاں کہ کفارہ سے عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کا ردّ ہوتا ہے۔ کیا عیسیٰ علیہ السلام خدائی اختیارات کا حامل ہو کر پھانسی پر لٹک کر اتنا بے بس ولاچار ہو گیا۔ آہ! پھر تین دن قبر میں لیٹا رہا اور آسمانی خدا (نعوذ باللہ) اپنے سامنے اپنے بیٹے کو سولی پر چڑھتے دیکھتا رہا لیکن اس کو بچا نہ سکا۔ عقیدہ کفارہ سے الٰہوں کی شان ظاہر ہوتی ہے یا توہین؟ عقیدہ تثلیث کی تائید ہوتی ہے یا ردّ......؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہزاروں سال کائنات کا نظام آسمانی الٰہ اللہ ذوالجلال اکیلا چلاتا رہا۔ اُسے تھکاوٹ محسوس نہیں ہوئی۔ تمام انبیاء کرام اُس ایک اللہ کی عبادت کا درس دیتے رہے۔ اللہ کو دوسرے الٰہوں کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی؟ تین الٰہوں کو مان کر پہلے انبیائے کرام کے عقیدہ توحید کی تعلیم کی تکذیب نہیں ہوتی؟

آسمانی الٰہ کے علاوہ آپ کے دوسرے الٰہ محدود مدت کے لیے دنیا میں آئے۔ خصوصاً حضرت عیسیٰ کفارہ ادا کر کے اپنے ماننے والوں کی آزادی کی نیلی پری دے کر چلے گئے کہ اب جو چاہو کرو کوئی تم سے پوچھنے والا نہیں۔ پہلے الہامی مذہب کی تائید ہوئی یا نئے عوامی مذہب کی دعوت ہوئی......؟

تاریخ عالم گواہ ہے کہ کفارہ کے عقیدہ نے صلیبیوں کو خونخوار درندہ بنا دیا ہے۔ صلیبیوں نے جاپان پر ایٹم بم برسا کر ہزاروں افراد کو ہلاک کیا، لاکھوں کو اپاہج کر دیا۔

ویت نام میں بمباری کے دوران ہزاروں انسان لقمہ اجل بن گئے۔ امریکا میں نائن الیون کا حادثہ صیہونی سازش سے ہوا۔ اس واقعہ میں کوئی ایک افغانی ملوث نہ تھا۔ لیکن صلیبی افواج نے افغانستان پر چڑھائی کر دی۔ کارپٹ بمباری سے ہزاروں انسان زمین میں دھنس گئے۔ اسی طرح القاعدہ کی تلاش میں عراق پر فاسفورس بم برسا کر لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں کو جلا کر بھسم کر دیا گیا۔ عقیدہ کفارہ کی رو سے صلیبیوں کے انسانیت سوز جرائم آخرت کے دن معاف ہو جائیں گے۔ عدل وانصاف کے معیار کے منافی نہیں؟

ذرا سوچو تو سہی خدانخواستہ آپ کے بیٹے کو کوئی ناحق قتل کر دے یا رات کی تاریکی میں نقب زنی کر کے اثاثہ سے محروم کر دے یا دن دیہاڑے اسلحہ کے زور پر آپ کے اہل خانہ کی عزت وحرمت کو پامال کر دے تو آپ کے دل پر کیا بیتے گی؟

مقدمہ کی تفتیش کے دوران آپ کو پتا چل جائے کہ ملزم کا تعلق عیسائی مذہب سے ہے کیا آپ اُسے معاف کر دیں گے؟ یا عدالتی کارروائی جاری رکھ کر مجرم کو سزا دلوائیں گے؟ اگر قیامت تک آنے والے عیسائیوں کے جرم کا کفارہ ہو چکا ہے۔ تو صلیبی ممالک میں عیسائی

ایک دوسرے کے خلاف مقدمات کی پیروی کیوں کرتے ہیں؟

خالق کائنات نے کوئی چیز بے کار تخلیق نہیں کی۔ ہر چیز میں فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی۔ تاہم اللہ ذوالجلال نے اُن چیزوں کا کھانا پینا اور استعمال کرنا حرام قرار دیا ہے جن اشیاء کے استعمال سے نقصان زیادہ اور فائدہ کم حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً: خنزیر ایک دوسرے کے روبرو باری باری مادہ سے فعل سرزد کرتے ہیں۔ فطرتاً وہی اثرات اس کا گوشت کھانے والوں میں سرائیت کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اسی لیے خنزیر کو حرام قرار دیا ہے۔ جب کہ عیسائی قوم خنزیر کا گوشت شوق سے کھاتے ہیں۔ اسی لیے مغربی معاشرہ میں حیا نام کی کوئی چیز نہیں۔ وہاں ایک لڑکی کے بیک وقت کئی بوائے فرینڈ ہوتے ہیں، جن سے وہ میل جول رکھتی ہے۔ سب ایک دوسرے سے باخبر ہوتے ہیں۔ اس کے خویش واقارب اس کو معیوب نہیں سمجھتے۔ انسانی معاشرہ میں آزادی کے نام پر پاکیزگی کی طرف پیش رفت ہے یا شرم وحیا کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے؟

سائنس وٹیکنالوجی کے شعبہ میں ترقی کرنے والے اہل مغرب کو دعوت فکر ہے کہ وہ خنزیر کے گوشت میں ریسرچ کیوں نہیں کرتے۔ آیا وہ انسانی صحت وعفت کے لیے مضر ہے یا مفید؟

اللہ سبحانہ نے بنی نوع انسان کی راہ نمائی کے لیے انبیائے کرام مبعوث فرمائے اور عبادت ومعاملات میں حلت وحرمت کے احکام اور جرائم کے سد باب کے لیے بعض انبیائے کرام پر کتب وصحائف نازل کیے۔ عیسائی قوم عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ عرصہ تک عیسوی تعلیم پر کاربند رہی پھر رفتہ رفتہ حلت وحرمت کے احکام کو عوامی مرضی کے تابع کرنے کے لیے الہامی کتب میں تحریف کرتے رہے۔ نوبت ایں جارسید کہ عصر حاضر میں حلت وحرمت کے احکام کا فیصلہ چرچ کے ارکان کثرت رائے سے جاری کرتے ہیں۔

''سٹاک ہوم (اے پی پی) چرچ آف سویڈن نے ہم جنس پرستوں کی شادیوں کو جائز قرار دیا ہے۔ گزشتہ روز چرچ آف سویڈن کے بورڈ کے اجلاس میں ہم جنس پرستوں کی شادی کی اجازت دینے کے لیے ایک قرارداد پر رائے شماری کی گئی جس کے حق میں ۶۲ کے مقابلے میں ۱۷۶ ووٹ آئے۔ رائے شماری میں چرچ آف سویڈن کے بورڈ آف ڈائریکٹر کے گیارہ ارکان نے حصہ لیا جب کہ دو غیر حاضر تھے۔''

[روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۴ اکتوبر ۲۰۰۹ء]

عیسائی قوم کو دعوت فکر ہے کہ ہم جنس پرستی کی شادی انجیل یا اس سے پہلے کسی الہامی کتاب میں کیا اس کی حلت جائز تھی؟ اگر نہیں تو موجودہ عیسائی مذہب الہامی ہوا یا عوامی خواہشات کا پرستار......؟

یہودی قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُن کی شان اقدس میں گستاخی کرتے ہیں اور اُن کی والدہ محترمہ مائی مریم علیہا السلام کی عصمت پر بہتان تراشی کرتے ہیں۔ جب کہ عیسائی قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقام الوہیت پر فائز کرتے ہیں۔ لیکن مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور مائی مریم علیہا السلام کی عصمت وعفت پر یقین رکھنے کو ایمان کا جزو قرار دیتے ہیں۔ باعث تعجب ہے کہ نصاریٰ کی یہودیوں سے دوستی اور امت مسلمہ سے دشمنی چہ معنی دارد؟

اسلام میں کوئی شخص کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہے تو وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا ہے۔ رنگ، زبان، نسل اور عہدہ ومرتبہ کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔ سب ایک ہی صف میں کندھے سے کندھا ملا کر اللہ سبحانہ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں۔ عیسائیوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

عیسائی مشنریاں پس ماندہ غیرب ممالک میں جا کر مصیبت زدہ لوگوں کی مالی معاونت کرتے ہیں۔ اُن کو اخوت ومحبت اور مساوات کا درس دے کر عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ بعض اوقات کالے رنگ کے لوگ کسمپرسی کی حالت میں اُن کو نجات دھندہ سمجھ کر عیسائیت قبول کر لیتے ہیں۔ جب کہ یورپ میں گوروں کے خوب صورت گرجا گھروں میں کالے عیسائیوں کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے۔ اگر کوئی منع کرنے کے باوجود داخلہ کی کوشش کرتا ہے تو اُسے دھکے دے کر نکال دیا جاتا ہے۔ قول وفعل میں تضاد کیوں ہے؟

اٹل حقیقت ہے کہ تورات انجیل کی زبانیں اپنی حیثیت کھو بیٹھی ہیں۔ وہ عہد قدیم وجدید میں بٹی ہوئی ہیں۔ طرفہ تماشا یہ کہ ہر ایک کی کئی قسمیں

ہیں۔اُن سب میں باہمی تضاد ہے انجیل آخری الہامی کتاب ہوتی تو اس میں تحریف قطعاً نہ ہوتی۔

قرآن مقدس آخری الہامی کتاب ہے جس کی زبان زندہ وتابندہ ہے۔پندرھویں صدی ہجری بیت رہی ہے آج تک قرآنِ حکیم میں زبر زیرپیش کی تحریف نہیں ہوئی۔

انجیل کسی کوزبانی یاد نہیں۔قرآنِ حکیم پر ربّ کریم کاخصوصی اعجاز ہے کہ کم سن بچے اسے حفظ کرنے کی سعادت حاصل کرلیتے ہیں۔آخری الہامی کتب ہونے کی واضح اور روشن دلیل ہے۔جس ہستی مقدس پر نازل ہوئی اُسی خاتم النّبیین محمد ﷺ کے بارے تورات وانجیل میں پیشین گوئیاں کی گئی تھیں۔ہم آپ کودعوت دیتے ہیں کہ قرآن کوغور سے پڑھیں۔سمجھیں اور آسمانی اللہ ربّ ذوالجلال سے صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعا کریں تو یقیناً آپ قلبی سکون حاصل کریں گے۔اور جس ہستی مقدس محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے اُس کی ختم نبوت پرایمان لانے کی سعادت حاصل کریں گے۔

الٰہی ہمیں گمراہ لوگوں کے رستہ سے بچا اور انعام یافتہ بندوں کے راستہ پر چلنے کی توفیق دے، آمین!

ضرورت رشتہ

لڑکی عمر23 سال، حافظہ قرآن، میٹرک پاس کے لیے برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔لاہور کے شہری کوترجیح دی جائے گی۔خواہش مند حضرات جلدی رابطہ کریں۔

[اکرام:0321-4011185 / 0301-4255195]

مولانا عبدالرشید ہزاروی کی اہلیہ محترمہ کا انتقال پرملال

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی (دارالحدیث ساہیوال روڈ اوکاڑا) کی اہلیہ محترمہ ۳ دسمبر ۲۰۱۰ء بروز جمعۃ المبارک وفات پاگئیں۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔مرحومہ عصر کی نماز کے لیے وضو کرتے ہوئے گرگئی تھیں۔اسی حالت میں وفات پاگئیں۔مرحومہ ایک ذاکرہ وعابدہ خاتون تھیں۔بچوں کی تربیت کے لیے بڑی کوشاں رہیں۔ایک بیٹا شہادت کے مرتبے پرفائز ہوااور باقی تعلیمی مراحل طے کررہے ہیں۔یہ سب مرحومہ کی دعاؤں کا ہی اثر تھا۔مرحومہ کی نماز جنازہ شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید اٹاروی نے پڑھائی۔سینکڑوں احباب وعلمائے کرام شریک جنازہ ہوئے۔قارئین سے دعائے مغفرت کی خصوصی درخواست ہے۔[عبداللہ یوسف،ناظم دارالحدیث اوکاڑا]

مکاتیب مولانا محمد امین اثری

بنام مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از محمد امین اثری
محلّہ شیخاں، بالائے قلعہ
علی گڑھ
۶ رمئی ۱۹۹۲ء

مکرم ومحترم مولانا عبدالغفار حسن صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

عزیز مکرم غازی عزیر سلمہٗ کے حالیہ مکتوب سے معلوم ہوا کہ آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ آپ کی اس پیرانہ سالی میں رفیقہ حیات کی مفارقت عظیم حادثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور آپ کو اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے، آمین۔

محمد بشیر مالیر کوٹلہ، مولانا عبیداللہ مبارک پور، عبدالوہاب خلجی دہلی کو اس کی اطلاع کردی گئی ہے اور یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ ''ترجمان دہلی'' کی کسی قریبی اشاعت میں خبر وفات شائع کردیں تاکہ مولانا کے متوسلین ومتعارفین کو اطلاع ہوجائے۔

اس خبر سے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ غازی عزیر سلمہٗ کو اپنے قیمتی اور مفید مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں۔ جزاک اللہ وبارک لک

کاش وہ آپ جیسے مخلص وشفیق تجربہ کار کی خدمت میں رہ کر علمی وتحریری تربیت حاصل کرنے کے لیے اپنی چھٹیوں میں وقت نکال لیں تو بڑا بہتر ہو۔ الحمدللہ اچھا ہوں توقع ہے جناب مع متعلقین ورفقاء بخیریت ہوں گے۔ محبی عبدالرحمٰن عاجز، محمد صدیق مالیر کوٹلہ، نور الٰہی وحکیم عبدالرحمٰن وغیرہ سے ملاقات ہوجائے تو سلام شوق پہنچادیں۔ موسم کے خوشگوار ہونے پر بغرض ملاقات پاکستان آنے کا عزم ہے۔

فقط والسلام
محمد امین اثری (علی گڑھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مئی ۱۹۹۵ء، از علی گڑھ
مکرم ومحترم مولانا عبدالغفار حسن رحمانی صاحب مدظلہ العالی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

گرامی نامہ شرف صدور لاکر باعث مسرت وموجب افتخار رہا۔ فالحمدللہ۔ گرامی نامہ پڑھ کر آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ گرامی نامہ بار بار پڑھا اور دعا

کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے جملہ عوارض کو دور فرمائے اور صحت وتوانائی عطا کرے اور خدمت دین کی زیادہ سے زیادہ توفیق بخشے اور آپ کے سایہ کو ہمارے سروں پر دیر تک قائم رکھے، آمین!

مالیر کوٹلہ کے رفقاء بالخصوص محمد بشیر، عبدالرشید، عبدالرؤف وغیرہ برابر علی گڑھ آتے رہتے ہیں۔ عبدالرشید تو اپنے کاروباری سلسلے میں ہر مہینہ علی گڑھ آتے ہیں۔ ۲رمئی ۱۹۹۵ء کوثر یا بنت عبدالحلیم اوّل کی لڑکی کی منگنی کا سلسلہ میں عبدالرشید، سلمٰی زوجہ محمد بشیر کوثری، ثریا وغیرہ کل دس افراد علی گڑھ آئے تھے۔ اور منگنی کر کے کل ۴رمئی کو رات کی ٹرین سے واپس مالیر کوٹلہ گئے۔ روح الامین کی شادی میں سب لوگ شریک ہوئے تھے۔

عبدالحلیم کے لڑکے عارف سلمہٗ کے ذریعہ آپ کی خیریت اور سلام لوگوں کو پہنچا دیا ہے۔ منگنی میں آئے ہوئے جملہ حضرات نے آپ کو سلام عرض کیا ہے۔

مکتوبات رحمانی کی کتابت اور تصحیح ہو چکی ہے۔ اخیر مارچ تک شائع ہوجانے کی توقع تھی اور عبدالوہاب خلجی نے وعدہ بھی کیا تھا کہ اخیر مارچ تک شائع ہوجائیں گی مگر نہ معلوم کیوں شائع نہیں ہوسکے۔ پرسوں ایک صاحب دہلی گئے تھے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ معلوم کریں کہ مکتوبات رحمانی کب تک شائع ہوجائیں گے۔ انہوں نے واپس آ کر بتایا کہ اخیر مئی تک چھپ کر شائع ہوجائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

ہفتہ عشرہ ہوا ہے عبدالوہاب خلجی صاحب کو خط لکھ کر معلوم کیا ہے کہ مکتوبات کب شائع ہوجائیں گے؟ ابھی ان کا جواب موصول نہیں ہوا ہے۔ مکتوبات کے شائع ہوجانے پر آپ کو ضرور بھیجوں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

میری دونوں آنکھوں میں موتیا بند کا پانی اتر آیا ہے۔ بائیں آنکھ آپریشن کے لائق ہوگئی تھی چار ماہ ہوئے اس کا آپریشن کرالیا ہے۔ روشنی تو آ گئی ہے لیکن دور کی چیزیں صاف نظر نہیں آتیں اور پڑھنے لکھنے میں دقت ہوتی ہے۔ چشمے سے قدرے فرق ہوا ہے۔ داہنی آنکھ کا پانی پکا نہیں ہے اس میں کچھ روشنی بھی ہے ڈاکٹروں نے بتایا ہے کہ چھ ماہ بعد آپریشن کے قابل ہوجائے گی۔ آپ میری آنکھوں کی بینائی کے لیے خاص طور سے دعا فرمائیں کہ میری آنکھوں کی روشنی عود کر آئے اور میں لکھنے پڑھنے کے لائق ہوجاؤں۔ دوسری درخواست یہ ہے کہ میرا چھوٹا بچہ غازی زبیر سلمہٗ پچھلے سال انجینئرنگ میں داخلہ کے لیے ٹسٹ میں بیٹھا تھا۔ ٹسٹ میں کامیاب ہوگیا مگر انٹرویو میں کاٹ دیا گیا۔ اس سال پھر بیٹھے گا ان شاء اللہ۔ آپ دعا فرمائیں کہ اس کا داخلہ ہوجائے۔ ماشاء اللہ بچہ ذہین، محنتی اور ٹاپر طلباء میں شمار ہوتا ہے۔

تقریباً بیس سال پہلے میں نے ''تحفہ حدیث'' کے نام سے حدیثوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جسے مولانا مختار احمد ندوی ساکن بمبئی نے مکتبہ دارالسّلفیہ بمبئی سے شائع کیا جس کے اب تک چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ دارالسّلفیہ والے بہت بڑی تعداد میں شائع کرتے ہیں۔ چوتھا ایڈیشن بہت خوب صورت، دیدہ زیب اور سرالناظرین ہے۔ معلوم نہیں آپ کی نظر سے گزرا یا نہیں؟ اگر گزرا ہو تو اس پر اپنی رائے ضرور تحریر فرمائیں۔ کتاب ''روزہ'' فیصل آباد کے پتہ بھیج چکا ہوں اس پر بھی اپنی رائے ضرور تحریر فرمائیں۔ آپ کی رائے میرے لیے سرمایہ افتخار و یادگار ہوگی۔

مولانا! ''روح الامین''، جان امین کا ترجمہ ہے۔ آپ جیسے دانا کا ذہن کسی اور طرف چلا گیا۔ ماہنامہ ''زندگی'' میں آپ کے مرتبہ مجموعہ احادیث بنام ''تحفہ حدیث'' کا اشتہار نظر سے گزرا ہے۔ اسے دیکھنے اور پڑھنے کا اشتیاق ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی اس کو حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔

الحمد للہ بعافیت ہوں۔ آپ کی درازیٔ عمر، صحت، خدمت دین کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو دنیا وآخرت کی بھلائیاں نصیب فرمائے اور خاتمہ بالخیر فرمائے، آمین۔

گھر کے سب ہی افراد آپ کو سلام کہتے ہیں اور دعا کی درخواست کرتے ہیں۔

فقط والسلام

محمد امین اثری

محلّہ شیخاں، بالائے قلعہ، علی گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از محمد امین اثری

۴/مارچ ۱۹۹۵ء

علی گڑھ

محترم جناب مولانا عبدالغفار حسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

عزیزم روح الامین سلمہٗ وحفظہ اللہ تعالیٰ کی بارات ۲۱/مارچ ۱۹۹۵ء یوم اتوار بوقت ۲/۸ بجے دن علی گڑھ سے دہلی جائے گی، ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری دلی خواہش ہے کہ آپ بھی شادی میں شریک ہوں اور نکاح بھی آپ ہی پڑھائیں۔ اگر آپ تشریف لائیں تو یہ ہماری بڑی سعادت ہوگی۔ ایک مدت سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ ملاقات بھی ہو جائے گی۔ برادران محمد بشیر کوثری مالیرکوٹلہ اور عزیزم عبدالرؤف سلمہما اللہ وغیرہ بخیریت ان کے متعلقین بھی بخیریت ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ کے خطوط میرے پاس ہیں ان خطوط کو مکاتیب رحمانی کے نام سے ادارہ ترجمان دہلی شائع کررہا ہے۔ کتابت ہو چکی ہے۔ مارچ، اپریل تک شائع ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔

الحمد للہ بخیریت ہوں توقع ہے جناب بھی مع متعلقین بعافیت ہوں گے۔ میرے حق میں نجات اور خاتمہ بالخیر کی دعا فرماتے رہیں۔

فقط والسلام

محمد امین اثری

محلّہ شیخاں، بالائے قلعہ، علی گڑھ

۱۰/۴/۱۹۹۵ء

مولانا محمد رفیق زاہد کا موبائل نمبر

دارالحدیث راجووال کے مدیر التعلیم مولانا محمد رفیق زاہد کا موبائل نمبر تبدیل ہوگیا ہے۔ دوست احباب اب اس نمبر پر رابطہ کریں۔

رابطہ نمبر: 0305-7432990

ضرورت قاری

ہمیں مدرسہ دارالسلام محمدیہ کے شعبہ حفظ القرآن کے لیے ایک مستند قاری کی ضرورت ہے۔ مناسب مشاہرہ اور دیگر سہولتیں دی جائیں گی۔

رابطہ: چوہدری عبدالمنان ایڈووکیٹ وہاڑی: 0300-7721497

دعا

یا ربّ میں خستہ پا ہوں رمِ اشتیاق دے
رفعت کے راہرو کو مزاجِ براق دے

کھویا رہوں خیالِ محمدؐ میں روز و شب
جو وصل سے حسین ہو ایسا فراق دے

پنہاں نہیں ہے تجھ سے فرو مائیگی مری
جگنو ہوں میں کرن کا مجھے احتراق دے

مجھ پر بھی عکس کچھ پڑے خوئے رُسول کا
نکہت بھری زبان شگفتہ مذاق دے

خم جس کے سامنے ہوں سلاطیں کی گردنیں
اپنے گدائے فقر کو وہ طمطراق دے

فرقوں میں بٹ رہے ہیں اخوت کے پاسباں
اے شافئ قلوب انہیں اتفاق دے

راسخ یہ عرش و فرش کے خالق کی بخششیں
مٹی کا گھر میں مانگوں وہ قصرِ سماق دے

[راسخ عرفانی]

---

17 تا 23 دسمبر 2010ء......(1795)......10 محرم الحرام 1432ھ